سعدیہ عزیز
راہ گُزر میں
چراغ منزل
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1

سعدیہ عزیز

وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا' وہ کسی فلم کا ہیرو تھا نہ ہیرو جیسا لیکن پھر بھی اس کی نظر اس حسن جہاں سوز سے کترا کے گزر ہی نہیں پا رہی تھی۔
وہ سگنل پر کھڑا تھا' اور وہ اس سگنل پر پھول بیچ رہی تھی۔

یکدم ایک جیپ آ کر رکی تھی' تین لڑکے جن کا چہرہ اپنے ماں باپ کی کمائی سے تمتماتا جوانی کے جوش سے بھرا ہوا تھا وہ اس لڑکی کو آوازے کسنے لگے' اس کے رگ و پے میں غصہ ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا ایک لڑکے نے لڑکی کی کلائی تھام لی۔
اس کی ہرنی جیسی آنکھیں اپنی مدد کے لیے سڑک پر کھڑے روبوٹس میں انسان ڈھونڈ رہی تھیں۔
"چلو ڈرائیور سگنل کھل چکا ہے۔" ایک تیز آواز اسے ہوش و خرد میں لے آئی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔
لیکن جب رات دو بجے وہ اپنے بستر پر لیٹا تو اس کے دماغ میں وہ ہی لڑکی کسی پرانی یاد کی طرح بکھرتی چلی گئی۔
"پتا نہیں ان لڑکوں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہو گا۔" وہ خود سے تصویریں بنا بنا کر بگاڑ رہا تھا پھر دوسرا دن خوش قسمتی سے آف تھا تو وہ جان کر رات کو وہاں چلا گیا' وہ پول سے ٹیک لگائے کھڑی تھی' اپنی دنیا میں مگن اپنے ارد گرد سے بے نیاز۔
"تم پھول بیچتی ہو۔" حیرت بھری آنکھیں اس پر جم گئی تھیں۔
"تمہیں کیا لگتا ہے میں یہاں ٹہلنے کھڑی ہوں یا نظارہ بازی کرنے۔"

"تم مجھے غلط مت سمجھو میں تمہاری خیریت پوچھنے آیا تھا۔" اب حیرت کے ساتھ تشویش بھی تھی "کیا میں تمہیں جانتی ہوں' تم بلاوجہ فری ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔"
"تم مجھے نہیں جانتیں لیکن کل جب میں جا رہا تھا یہاں سے تو کچھ لڑکوں نے تمہیں تنگ کرنے کی کوشش کی تھی۔"
"تو۔" اس نے بے پرواہی سے کہا۔
"تو یہ انہوں نے تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کیا۔" اس نے طنزیہ ہنسی سے اسے شرمندہ کر دیا۔
"جن کے پاس دولت ہوتی ہے وہ صرف لطف لینا جانتے ہیں انسانوں سے چیزوں سے موسموں سے انہیں ان کے درد تکلیف کا احساس کبھی نہیں ستاتا۔"
اس نے اپنا ہاتھ دوپٹے میں چھپانا چاہا مگر' اس کی کلائی جگہ جگہ سے مضروب تھی۔
اس کے دوپٹے سے اس کی شرٹ کا پھٹا ہوا حصہ جسے سینے کی کوشش کی گئی تھی کسی طور نہیں چھپا تھا۔
"کل انہوں نے پھول خریدنے کی کوشش کی تھی یا خوشبو۔"
"تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے' خدائی ٹھیکیدار ہو' یا مجھے دکھ دینے والے۔" وہ گھبرانے لگی تھی۔
تبھی اس نے والٹ سے پیسے نکالے۔ "یہ رکھ لو۔ کچھ کپڑے خرید لینا' جسم اور روح دونوں کو ڈھانک کر رکھنے میں ہی بھلائی ہے ورنہ لوگ اپنی اپنی طلب

کے حساب سے اپنی خواہشوں کا سارا بوجھ تمہارے کاندھوں پر ڈالتے چلے جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا' تمہاری روح کب کہاں کیسے چوری ہوگئی۔" وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ "کون ہو تم؟"

"انسان' اور انسانیت پر سب سے زیادہ یقین رکھنے والا کیونکہ میں نے تم سے زیادہ زندگی کو قریب سے دیکھا ہے۔"

"تمہیں مجھ سے کیا دلچسپی ہے۔" لڑکی نے اسے طنز سے دیکھا اور پھر بہلانے والے انداز میں مسکرائی "آخر تم بھی تو ایک مرد ہو نا تمہیں بھی کوئی میٹھی کھنی سی ضرورت ہی کھینچ کر لائی ہے نا۔"

وہ مسکرا دیا' مگر اس کی مسکراہٹ میں تنبیہ تھی' پھر یک دم وہ نرمی سے بولا "محنت کرنے والے ہاتھ بھیک مانگنے لگیں تو دل مرجاتا ہے ان کا' اور ایک بار دل مرجائے نا تو کچھ نہیں رہتا۔"

وہ نظریں چرانے لگی تو اس کا ہولے سے کندھا ہلا کر بولا۔

"ادھر دیکھ میری طرف۔" لڑکی نے نظریں اٹھائیں تو ایک طویل اطمینان کی گہری سانس چھوڑ کے بولا۔ "حیا ابھی تیری آنکھ میں بکل ڈالے بیٹھی ہے اسے گھر بدر مت کر' حیا نہ رہے تو دنیا رہتی ہے نہ دین پھر اللہ سائیں کہتا ہے جا' میں نے تجھے چھوڑ دیا جو مرضی آئے کر جہاں مرضی آئے اٹھ جہاں مرضی آئے بیٹھ میں تجھ سے حساب لوں گا نہ کبھی کتاب کا ڈر دوں گا بس پھر ایک واری ہی ملن گے' روز محشر میں وہیں ہوگا حساب بھی کتاب بھی۔"

لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"تجھے اتنی فکر کیوں ہے میری۔" غصہ واضح تھا مگر آنسو آنکھ میں اٹکے ہوئے تھے۔

اس نے ہولے سے کندھے اچکائے تھے "پتا نہیں میرا تیرا رشتہ کیا ہے مگر میرا دل ڈرتا ہے تیرے لیے کہ نادانی میں تو اپنا کوئی بڑا نقصان نہ کرلے۔"

"میں کوئی ننھی کاکی نہیں دس جماعتیں پڑھی ہوں جانتی ہوں خوب اپنا اچھا برا تو نہ میرے لیے ہلکان ہو اور یہ رکھ اپنے نوٹ پھر جب انسانیت کا بھوت اترے گا تو ان نوٹوں کے بدلے چکانے میری دہلیز پر کھڑا ہوگا مجھے نہیں پالنی یہ رحم مروت ہمدردی کی ناہنجار اولادیں کچھ نہیں رکھا آج کے زمانے میں ان لفظوں میں۔"

"بڑی بڑی باتیں کرتی ہے پھر ڈرتی کیوں ہے اگر کوئی تیرا ہاتھ پکڑے تو ایویں تخیل لگاتی ہے کیا۔" اسے مانو غصہ ہی تو آگیا تھا مگر اس نے نوٹ واپس لینے کے بجائے زمین پر پھینک دیے تھے۔

"چل جا' میں بلاوجہ تیرے لیے ساری رات پریشان رہا' تجھے تو شاید چوری کرنے کی پرانی عادت ہے۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا' وہ اسے جاتا دیکھتی رہی تھی' اس نے سایہ معدوم ہونے پر زمین سے نوٹ اٹھائے اور محفوظ کرلیے کہ کسی نے اس کا کندھا دبوچ لیا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا یہ تجھ سے' بڑی جان پہچان لگ رہی تھی تیری اس سے۔"

لڑکی نے اپنے سامنے کھڑے بوڑھے وجود کو نفرت سے دیکھا تھا۔

"ابا کیا واقعی میں تیری سگی بیٹی ہوں' تیری اپنی اولاد۔"

"ہاں تو کیا تجھے گھورے پر سے اٹھایا تھا' نیکی کمانے کی لت نہیں مجھے' چل جلدی سے وہ پیسے نکال جو وہ تجھے دے کر گیا ہے۔"

"میرے پاس کوئی پیسے نہیں تیرے اندر کتنا لالچ ہے ابا تیرا کشکول کبھی بھرتا ہی نہیں ہے جتنا اندر ڈالو اور اور کی رٹ لگائے رکھتا ہے تو ایسا کیوں ہے رے ابا۔"

"بس جیسا ہوں گزارا کر ورنہ اپنا ٹھکانہ کرلے میری چھت کے نیچے سوتی ہے میرا دیا کھاتی ہے اور مجھے ذلیل کرتی ہے۔" بوڑھے نے کلائی زور سے مروڑی تھی۔ اس میں جان نہیں تھی مگر لڑکی کے اندر ڈر اور خوف تھا جس نے اس سختی سے آدمی کو بازپرس میں جتا دیا تھا۔ "چل جلدی سے پیسے ڈھیلے کر۔ تو جانتی ہے میں کتنا ظالم آدمی ہوں" لڑکی کی آنکھوں میں آنسو اور تکلیف سے آواز گھٹ رہی تھی "اچھا چھوڑ تو دیتی ہوں نا۔"

اس نے ہاتھ چھوڑا تو دوپٹے کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس نے سب سے محفوظ جگہ چھپائے پیسے نکال کر اس بوڑھے کی ہتھیلی پر رکھ دیے تھے۔ بوڑھے کی آنکھوں کی چمک دو گنی تھی۔ "او شہزادے تو بہت بھلی لوکے ہے بوڑھے باپ کا جتنا خیال رکھے گی دیکھ جنت تجھ سے اتنی قریب آتی جائے گی۔"

"آخ تھو جنت اور میرے قریب تیرے جیسے بوڑھے باپ کے ہوتے مجھے جنت کا سایہ تک نہیں ملنا ابا مگر میں کیا کروں بڑی مجبور ہوں۔"

وہ وہیں الیکٹرک پول سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا مگر اس کے آنسو نہیں رکے تھے۔

"اماں تجھے اور کوئی مرد نہیں ملا تھا جسے تو میرا باپ بنا سکتی۔" وہ بڑبڑا رہی تھی تبھی ایک گاڑی آکر رکی تھی۔

"چلنا ہے تجھے۔" اس نے سنا ہی نہیں گاڑی میں بیٹھا مرد کئی بار بولا "چل دفع کر پاگل چڑی لگتی ہے بہت غیرت ہے کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گی۔" دوسرے مرد نے کندھے پر ہاتھ مار کر ارادہ کینسل کردیا' پھر کئی گاڑیاں رکیں مگر وہ ویسی ہی بیٹھی رہی پھر پتا نہیں کب اٹھی کب اپنے گھر گئی اسے اس کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شمشیر آج کل تم کچھ ڈسٹرب سے لگ رہے ہو' سب ٹھیک تو ہے؟" اس نے سر اٹھا کر اپنے باس کو دیکھا خوبرو' خوب صورت' نیک نفس انسان جس کی شمشیر کی نظر میں بہت قدر تھی۔ "نہیں سر' بس کچھ دنوں سے نیند پوری نہیں ہورہی ہے اس لیے۔"

"نیند پوری نہیں ہورہی ہے کیوں؟" سوچتی نظروں سے شمشیر کی طرف دیکھا اور پھر شرمندہ نظر آنے لگا۔ "اف سوری یہ گڈی بھی نا' اسے پتا نہیں رات کی تقریبات میں کیا مزا آتا ہے میں اور اس کی ممی اسے سمجھا سمجھا کے تھک گئے ہیں مگر کوئی اثر نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ تمہاری نیند پوری نہیں ہوتی کتنی مرتبہ کہا ہے میں نے گڈی کو کہ ڈے کے لیے الگ ڈرائیور رکھ لو' نائٹ کے لیے کوئی الگ مگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور ڈرائیور سے سیٹس فیکشن فیل ہی نہیں کرتی ہے۔"

"سٹس فیکشن۔" شمشیر کے بدن کا سارا رواں کھڑا ہوگیا۔

"میں اس بارے میں آپ سے بات کرنے ہی والا تھا۔"

"ہاں ہاں بولو میں سن رہا ہوں۔" اس نے بات کرنے کے لیے حرکت دی مگر اس وقت باس کی بیٹی گڈی سامنے آن کھڑی ہوئی کیوٹکس لگے ناخنوں کی نمائش کرتی' لپ اسٹک کو بار بار ہونٹوں سے دباتی'

باس نے کمر موڑلی تھی اور شمشیر نے اس لڑکی کو دیکھا تو جو ابھی پچھلے سال ہی اٹھارہ برس کی ہوئی تھی اور اب تک ہر قسم کا نشہ استعمال کرنے کی اتھارٹی بنی ہوئی تھی۔

"او کے پاپا ہم مشارق کے فارم ہاؤس جا رہے ہیں سارے دوست دو دن تک وہی رہیں گے منڈے کی رات کو لوٹیں گے یا پھر منڈے کی دوپہر' اور پلیز موم سے کہیے گا ڈسٹرب نہ کرنے بیٹھ جائیں مجھے وہاں۔"

باس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی گڈی آگے چلی گئی تھی جب باس نے اس کا کاندھا تھام کر لجاجت سے کہا تھا۔

"پلیز شمشیر سیو مائی گرل شی از سو انوسینٹ۔"

اس نے ہلکا سا سر ہلایا تھا' اور حیران رہ گیا تھا گڈی فرنٹ سائیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ ہلا ہلا کر ایکسائٹمنٹ میں اپنی طرف بلا رہی تھی۔

وہ فرنٹ ڈور پر ہاتھ رکھے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"گڈی صاحبہ' آپ کو ایک ڈرائیور کے برابر بیٹھنا زیب نہیں دیتا آپ مالکن ہیں پچھلی سیٹ پر بیٹھیں ورنہ آپ کے دوست آپ کے بارے میں اچھی رائے نہیں قائم کریں گے۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔" چھوٹا سا آئینہ نکال کر وہ اپنے میک اپ کو اور زیادہ گہرا کر رہی تھی۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا تبھی وہ عادتاً غصے میں چیخی تھی "تمہیں کیا مسئلہ ہے آخر میری گاڑی ہے میں جہاں چاہوں بیٹھوں' تم کون ہوتے ہو مجھے مشورہ دینے والے' میں فیصلے اپنے ماں باپ کے نہیں مانتی اور تم اٹھ کر آگئے ہو مجھے ریموٹ کرنے' تمہیں نوکری کرنی ہے یا پاپا سے کہہ کر نکلوا دوں۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا اور اس کے باس کی پرانی کہی بات نئی ہو کر اس کے کانوں میں گونجنے لگی "میری بیٹی گڈی بہت موڈی بہت ریفلیکشنسٹ اور غصے کی ذرا تیز ہے تمہارے آنے سے پہلے 40 ڈرائیور ٹرائل پر آچکے ہیں مگر یہ بہت کم کسی کو رکنے دیتی ہے سب سے زیادہ دیر جو ڈرائیور رکا اس کا دورانیہ تین دن اور پندرہ گھنٹے تھا۔

"آپ بے فکر رہیں سر میں گڈی صاحبہ کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ گاڑی بہت طریقے سے چلاتا تھا اس نے شہر کا چپہ چپہ دیکھ رکھا تھا اپنی بے دری کے زمانے میں' یہی وجہ تھی اسے نوکری ملنا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن ضمانت پر آکر بات رک جاتی تھی کوئی اس بے نام شخص کی ضمانت نہیں دینا چاہتا تھا یہاں بھی وہ حادثاتی طور پر آیا تھا۔ اس دن بھی وہ بہت بھوکا تھا' تین دن سے وہ اپنے پیٹ کو اس کی بھوک سے مکرنے پر مجبور کر رہا تھا کہ ایک جگہ رش دیکھ کر رک گیا' لوگوں کی بھیڑ چیرتا ہوا آگے بڑھا تو بڑھتا چلا گیا' کوئی مخیر شخص لوگوں میں لنچ بکس بانٹ رہا تھا۔

معدے نے کہا مجھے بھوک لگی ہے۔

عزت نفس نے کہا اتنے کڑیل جوان ہو کر بھیک کا کھانا کھاؤ گے' ہضم کر لو گے معدے نے کہا بری حالت ہے میری اس وقت اس کے اندر پتھر بھی ڈالو گے تو ہضم کر جاؤں گا' ساری دنیا جیسے اس کی نظروں سے فیڈ آؤٹ ہو گئی ایک دن میں کھڑا لنچ باکس بانٹتا ہاتھ اس کے سوا دنیا اس کے لیے کچھ نہیں تھی' جب بہت اچانک بریک چرچرانے کی آواز آئی سب کی نظر کھانے پر تھی اس نے مڑ کر دیکھا ایک گاڑی بے قابو ہو کر سڑک پر لگے پول سے ٹکرا گئی تھی' کسی نے توجہ نہیں دی ٹریفک کنٹرول کرتے سپاہی نے بھی بس فون کرنے پر اکتفا کیا' وہ بھاگ کر گاڑی کی طرف آیا لوگ رک رہے تھے مگر پولیس کیس کہہ کر نکلتے جا رہے تھے۔

"اس کا خون بہہ رہا ہے اگر اس کو وقت پر اسپتال نہ پہنچایا گیا تو یہ مر جائے گا۔" "تو مرے' نشے میں گاڑی چلانے سے یہی ہوتا ہے۔" کسی نے لقمہ دیا۔

"نہیں بھئی ہمدردی بڑی مہنگی پڑ جاتی ہے کون تھانے کے چکر لگائے" ایک اور آواز۔

"تیرا دل پھٹ رہا ہے تو تو لے جا اپنے کندھے پر ڈال کر حلیہ دیکھا ہے کبھی گاڑی کی شکل بھی دیکھی ہے۔" تیسرا فقرہ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس شخص کو برابر والی سیٹ پر منتقل کر کے سیٹ بیلٹ سے کور کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اس نے چابی اگنیشن میں گھمائی تو لوگ شور مچانے لگے۔

"چور چور ارے پکڑو بھاگو گاڑی چرانے کی دن دھاڑے واردات۔" مگر وہ رکا نہیں قریبی اسپتال پہنچ کر اس نے بے ہوش شخص کے موبائل میں محفوظ wife کے نمبر پر کال کی کچھ ہی دیر میں اس کے گھر والے اسپتال پہنچ گئے "اس شخص نے **ایکسیڈنٹ** کیا ہے۔"

سب اس پر چڑھ دوڑے تھے تب ڈاکٹر نے آکر اس کا بچاؤ کیا۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں بیگم شہنی افضل' یہ شخص تو آپ کے شوہر کو بروقت اسپتال لے کر آیا ہے اگر آج یہ نہ ہوتا تو مسٹر افضل کو پڑنے والا دل کا دورہ ان کی زندگی کو ختم کر چکا ہوتا۔ آپ جانتی ہیں نا پہلا دورہ کتنا شدید ہوتا ہے۔"

تب پہلی بار اس نے 14 سال کی گڈی کو دیکھا تھا اپنے باپ کے لیے ڈری سہمی سی وہ بچی۔

"میرے پاپا بچ جائیں گے نا سر۔"

تب اس نے اس بچی کے جھکے سر کو ٹھوڑی سے سہارا دے کر اونچا کیا' اور یقین سے بولا۔

"جس کی آپ جیسی پیاری بیٹی ہو اس کے پاپا کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ دعا کرو وہ اللہ ہر ——— بلا کو ٹال دیتا ہے۔"

"آپ کا نام کیا ہے سر؟" بڑی بڑی غلافی آنکھیں سوالیہ ہو گئی تھیں۔

"شمشیر۔"

"یہ نام ... عجیب سا نہیں؟ کیا آپ سکھ ہیں؟"

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"نہیں تو الحمدللہ میں مسلمان ہوں ... بلکہ ہاں جس شخص نے مجھے کچرے کے ڈھیر سے پہلی بار اٹھایا وہ سکھ تھا۔ دو سال اس نے میری پرورش کی مگر پھر ایک حادثے میں وہ شخص چل بسا تو میری منہ بولی ماں نے اپنے گھر والوں کے دباؤ میں آکر مجھے یتیم خانے میں

ڈال دیا' اس نے ہی وہاں کی میٹرن کو بتایا تھا کہ وہ خود سکھ ہے مگر یہ بچہ کسی مسلے کا ہے' اس کے گلے میں آیت الکرسی کا ہار ملا تھا۔"

"کتنی فلمی سی اسٹوری ہے شمشیر۔ مجھے تو یقین نہیں آتا اصلی میں بھی ماں باپ اپنی اولاد کو کچرے کے ڈھیر پر ڈال سکتے ہیں' کیسے ڈالتے ہیں اور کیوں۔"

"بھوک۔" وہ صرف بھوک کہہ کر چپ ہو گیا تھا اور دل نے چپکے سے کہا تھا' زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو بھوک ہی ہے جو مرکز کے طور پر بیچ میں پڑی ہے' دولت کی بھوک' نفس کی بھوک' شہرت کی بھوک' پیٹ کی بھوک' چاروں طرف بھوک ہی کا ڈنکا بجتا ہے سورماؤں کی طرح بھوک نام پکارتی جاتی ہے اور انسان آ آ کر اس میدان میں کٹتے مرتے فاتح اور مفتوح بنتے جاتے ہیں بس اصل فاتح وہ ہوتا ہے جو اس بھوک کے سامنے سے اپنا ایمان' نفس بچا کر واپس لے آتا ہے۔

گاڑی اب بھی سبک رفتاری سے چل رہی تھی' اور اس کی سوچیں بھی' تبھی برابر بیٹھی گڈی نے اپنا پرس کھول کر چاکلیٹ باہر نکالی تھی وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی بھر ڈرتی تھی' شمشیر جب اس طرح چپ ہو جاتا تھا وہ تب اسی طرح اس سے ڈر جایا کرتی۔

"شمس۔" بہت لاڈ میں کہتی تھی۔

شمشیر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھے پتا ہے شمس تم مجھ سے بہت خفا ہو گئے ہو' تمہیں غصہ آرہا ہے نا اس وقت۔"

"نہیں تو گڈی صاحبہ میں آپ کا شوفر ہوں میری مجال کہ میں آپ سے خفا ہوں یا خدانخواستہ غصہ کروں' یہ حق آپ کی ملازمت میں آنے کے بعد میں نے استعمال کرنے چھوڑ دیے۔"

"پلیز شمس مجھے شرمندہ مت کرو' یہ چاکلیٹ کھاؤ تم نے کہا تھا نا جب غصہ آئے یا دل غمگین ہو تو کوئی میٹھی چیز کھالو' ایک دم سے کول ہو جاؤ گی۔" وہ مسکرایا۔

"آپ کو میری باتیں یاد رہتی ہیں گڈی صاحبہ۔"

"پلیز شمس تم مجھے گڈی مت کہا کرو میرا نام لیا کرو علینہ افضل علی۔ پتا نہیں یہ دادیاں' نانیاں کیا کیا الابلا پیار کے نام پر رکھ دیتی ہیں مجھے گڈی کہلوانا بالکل پسند نہیں۔"

"دادیاں نانیاں تو آپ کے گزرنے والے کسی کل میں تھیں تبھی آج اتنا روشن اتنا خوش گوار ہے گڈی صاحبہ' محبتوں کے رشتے بہت قیمتی ہوتے ہیں' اکیلے پن میں بہت یاد آتے ہیں۔"

گڈی نے زبردستی چاکلیٹ اس کے منہ میں ڈال کر خود سگریٹ سلگایا اس کی مہک بتا رہی تھی وہ نشیلا سگریٹ ہے۔

"شمس' تمہیں اکیلے پن میں کبھی کوئی یاد آتا ہے۔"

"ہاں آتا ہے یاد' مجھے اپنی جنم دینے والی ماں بہت یاد آتی ہے پتا نہیں اس کی کیا مجبوری تھی جو اس نے مجھے اپنی گود سے نکال کر کچرے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔"

"ربش یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے تمہاری عمر ایسے رشتوں کو یاد کرنے کی نہیں' تم کسی شوخ چنچل لڑکی کو یاد کرو اس سے ملنے والی خوشی کو سوچو۔"

"گڈی صاحبہ آپ کو اتنی سی عمر میں اتنی بڑی بڑی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔" گڈی کی لال ڈورا آنکھیں اس پر آجمیں۔ "اوکے میں نہیں کرتی۔ تم کرو تمہارا تجربہ مجھ سے زیادہ ہو گا' وہ ڈول کہتی ہے تمہارا ڈرائیور کسی ماچو مین سے کم نہیں لگتا تمہیں تو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" شمشیر کی سانسیں تیز چلنے لگیں اور چہرہ تمتمانے لگا۔ ایک ڈھابے پر اس نے گاڑی روک دی تھی۔

"کیوں روک دی ہے گاڑی؟ وہاں سب پہنچ گئے ہیں مجھے وقت پر جانا ہے۔" شمشیر نے اسے لیمو پانی لا کر دیا۔

"بہت گرمی ہے پی لیں اسے۔"

اس نے منہ بنا کر اسٹرا سے بوتل پینی شروع کر دی تھی۔

بوتل پیتے ہی اس کا سر بھاری ہونے لگا "شمشیر تم نے یہ کیا پلا دیا ہے میرا سر چکرا رہا ہے مجھے لگتا ہے

واہیات ہو جائے گی۔"

شمشیر گاڑی میں بیٹھا تھا "نہیں ہو گی واہیات' آپ آنکھیں بند کر کے خود کو پرسکون کرلیں آپ کو نیند آئے گی۔"

اس نے واقعی شیڈ آگے کر کے سیٹ کو پیچھے کر کے خود کو ریلیکس کر لیا۔ "شمشیر پلیز سیو مائی گڈی شی از انوسینٹ۔"

اس نے گہری نظروں سے گڈی کو دیکھا وہ اس کے لیے آج بھی وہی چودہ سال کی معصوم سی بچی تھی جس کے اندر جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر سر اٹھانے لگا تھا یہ عمر تجربے کرنے ٹھوکر کھانے گرنے پھر کوئی نئی غلطی کا کھل کرنے کی عمر تھی لیکن وہ شمشیر کو جس طرح اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھی' یہی ان لیچ رہنا اسے ان غلطیوں کے خمیازہ بھگتنے سے بچائے رکھتا تھا' وہ آدھی پاگل لڑکی تھی غصے میں ہوتی تو جم کے بدتمیزی کرتی۔ غصہ اتر جاتا تو باس کی بیٹی ہونے کے باوجود معافی مانگتی' اس کی کتنی فرینڈشپ شمشیر کی کارستانی سے بگڑی تھیں اس کی ایک اچھی یا بری عادت یہ بھی تھی کہ وہ خود شمشیر کو کچھ بھی کہہ ڈالتی لیکن اگر کوئی باہر کا شخص شمشیر کی کوئی شکایت کرتا تو وہ ہتھے سے اکھڑ جاتی اسی پر الٹ پڑتی اس کا نمبر اپنے موبائل سے ڈیلیٹ کر دیتی' اور اس کی یہ کمزوری شمشیر بھی جانتا تھا یہی وجہ تھی اس کی حفاظت کے لیے وہ کوئی بھی قدم بے دھڑک اٹھا لیتا تھا۔

فارم ہاؤس کا وسیع و عریض گیٹ سامنے تھا۔

واچ مین نے ریموٹ سے دروازہ کھول دیا تھا شمشیر گاڑی بے دھڑک اندر لیتا چلا گیا۔ اس نے گاڑی پارک کی گڈی کی طرف کا دروازہ کھولا اور اس کی پشت ہوتے ہی اپنے بغلی ہولسٹر میں گن کی موجودگی کو محسوس کر کے اطمینان سے مسکرایا وہ گڈی کی حفاظت کے لیے پوری طرح لیس ہو کر آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آخر تجھے مجھ سے جلن کیا ہے۔" "کھانا کھاتے ابا نے شہناز کو گھورا اور خالی گلاس اسے کھینچ مارا۔

"تیری شکل۔ تو بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔"

اس نے ماتھا سہلایا اور آنسو بہاتے پھر سے دوبدو پر اتر آئی۔

"یہ میرا قصور ہے کہ میری شکل میری ماں پر چلی گئی۔ کرموں جلی خود چلی گئی اور مجھے چھوڑ گئی تیرے جیسے بدلحاظ جانور قسم کے باپ کے پاس۔"

"تو چلی جا تو بھی' میں تیرے کرم کی کھا رہا ہوں نہ تیرے نصیب کی' تو چلی جائے گی تب بھی اپنا گزارا کر سکتا ہوں کوئی بھی مجھ بوڑھے کو کھانا کھلا ہی دے گا' بھلے ٹھڈے مار کر کھلائے یا دو میٹھے بول بول کر۔"

"تیرا دل کتنا سخت ہے ابا تجھے اپنا نشہ مجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔"

اس نے نشے والی بیڑی سلگائی تھی اور گہرا سانس کھینچ کر ہچکولے کھاتی آواز میں بولا تھا۔ "مجھے میرا نشہ واقعی تجھ سے زیادہ عزیز ہے کیوں کہ میرا نشہ صرف میرے ساتھ وفادار ہے تیری طرح بدذات نہیں۔"

"بس کر دے ابا بیٹی کے لیے ایسی زبان ادا کرتے تجھے شرم نہیں آتی۔" ابا نے گھور کے دیکھا۔

"تجھے آتی ہے اپنے باپ کو بدلحاظ اور جانور کہتے ہوئے۔" اسے جھنجلاہٹ کے باوجود غصہ آنے کے بجائے ہنسی آگئی تھی' وہ زمین سے اٹھ کر اس کے پیروں کے پاس آن بیٹھی تھی۔

"تیرے اندر بہت چھوٹا سا معصوم بچہ چھپا بیٹھا ہے تو برا انسان نہیں ہے ابا' بس چڑچڑا اور انتقام میں ایسا ہوتا جا رہا ہے' مگر یہ تو سوچ تیرے انتقام سے تجھے فائدہ کیا ہے اور مجھے فائدہ کیا ہے۔"

"بس رہنے دے یہ میٹھی میٹھی گولیوں جیسی باتیں نہ کر' بچپن میں بڑی کھائی ہیں شروع میں زبان میں میٹھی اور آخر میں کڑوی۔"

"مجھے پتا ہے ابا تو بھی کڑوا ہو چکا ہے میں بھی' دیکھ بڑے بڑے ملک بھی تو آپس میں چپ خاموشی کا معاہدہ کرتے ہیں تو اور میں تو ان ممالک سے حد درجہ غریب ہیں' ہمیں تو اس معاہدے کی زیادہ ضرورت

ہے۔"

"واہ میں کیوں کروں کوئی معاہدہ' میں کوئی تیرا نوکر ہوں۔"

"ابا اللہ نہ کرے تو میرا نوکر ہو۔ میں ایک فیصلہ کرنا چاہتی ہوں بس تو میرا ساتھ دے دے تو اچھا لگے گا مجھے۔"

"کیسا فیصلہ پہلے پوری بات بتا! مجھے تجھ پر ذرا اعتبار نہیں' مجھے دھوکے میں رکھ کر ساری ملائی خود کھا جائے گی اور میں بڈھا ٹھڈھا منہ تکتا رہ جاؤں گا' نا بھئی نا' میں نہیں مانتا ایسی کوئی بات۔" اس نے ابا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مدھم بولی۔ "مجھے پتا ہے تو اتنا ظالم اور سفاک کیوں ہے تجھے ڈر ہے اپنے جاتے ہر لمحے کا ڈر بے آسرا رہ جانے کا ڈر اور یہ ڈر میری ماں نے تیرے دل میں کسی صلیب کی طرح گاڑا ہے۔ اس نے بے وفائی کر کے تجھے دلی طور پر اپاہج بنا دیا ہے۔ دس برس میں اپنی زندگی کے وہ شاہانہ دس برس کبھی نہیں بھلا سکتی ابا جو تو نے ان تھک محنت کرتے ہوئے حق حلال کی کمائی سے میری زندگی میں شامل کیے' میں نے تجھ سے زیادہ میٹھا بولتے کسی مرد کو نہیں سنا۔"

ابا کا منہ کھلا رہ گیا تھا دھندلی آنکھوں میں پتا نہیں کتنے برسوں کا رکا کھارا پانی جمع ہونے لگا۔ اس نے بیڑی کچی زمین پر پھینک دی۔ شہناز نے ابا کے بکھرے بال سیدھے کیے اور اس لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے پھر بولی تھی۔ "اگر تیرا بیٹا ہوتا تو وہ تیرے لیے کما کے لاتا۔ تجھے بٹھا کر کھلاتا پھر شاید تو اتنا کڑوا نہ ہوتا پھر شاید تو میرا گھر بسانے کا سوچتا' ٹوٹا پھوٹا جہیز کے نام پر کچھ بھی جمع کرتا اور مجھے کسی کے ساتھ بھی رخصت کر کے اپنے گھر کی غربت پر شکر بجا لاتا۔ میں جانتی ہوں میں نے تجھ سے زیادہ صبر کرنے' برداشت کرنے' شکر کرنے والا انسان آج تک نہیں دیکھا۔"

ابا کی آنکھ کی کوروں میں جمع ہونے والا پانی ٹپ ٹپ اب اس کے رخسار پر بہنے لگا' دل میں آنسوؤں کے کھارے نے جو کلر لگا دیا تھا اس میں اس کی میٹھی آواز اور میٹھے بول جیسے گفتہ چشم کھوج نکال رہے تھے۔

"ابا میں تجھ سے لڑتی رہوں تو مجھ سے لڑتا رہے ہم اس لڑائی میں کیا حاصل کر رہے ہیں تجھے پتا ہے نا لوگ ہم پر کیسے ہنستے ہیں ہماری ضد بحث پر قہقہہ لگاتے ہیں۔"

"کیا کروں میں۔۔۔ بتا پھر کیا کروں میں؟ میں بھی تھک گیا ہوں ایسی جانوروں والی زندگی جیتے جیتے' کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں خود بھی مر جاؤں تجھے بھی مار دوں۔"

پہلا مربوط خطاب اس نے اپنے باپ کے منہ سے سنا تھا۔

اس نے ابا کی پیشانی کو بوسہ دیا "ہم گناہ گار نہیں پھر ہم حرام موت کیوں مریں۔ ابا میں چاہتی ہوں میں تیرا بیٹا بن کر تیری خدمت کروں میں کوئی عزت والی نوکری کرنا چاہتی ہوں۔"

ابا نے کسی روبوٹ کی طرح دوپٹے سے ڈھکے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ بس روئے جا رہا تھا اپنے جذبات کو لفظوں میں پرونے کے قابل نہیں تھا' مگر شہناز جانتی تھی برسوں پرانی اس کی ابا کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں سیز فائر ہو چکا تھا۔

اس نے کھانے کے برتن اٹھائے اور اپنی دوست کے گھر چلی گئی۔ جس نے بنگلے میں کھانا پکانے' برتن دھونے کی نوکری دلانے کی بات کی تھی۔

یہ اس کی نوکری کے ایک ہفتے بعد کی بات تھی جب کچن اور انتظامیہ کے اراکین کو ہال کمرے میں جمع ہونے کے لیے کہا گیا تھا۔

"تم آج شام کام ختم کر کے شارق کے فارم ہاؤس چلے جاؤ اس کی وہاں کوئی فیلو زگیٹ ٹوگیدر ہے۔"

"مگر صاحب میں ابا کو بتا کر نہیں آئی ہوں۔" وہ منمنائی تھی۔

"تمہارے ابا کو پتا نہیں' کام تو کام ہے دیر سویر تو ہوتی رہتی ہے۔"

"مگر میں رات باہر نہیں رکتی۔" شارق نے اس لڑکی کا عکس سامنے لگے آئینے میں دیکھا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا ہے تم ملازمہ بنائے جانے کے لیے پیدا ہوئی ہو' ارے تم تو جدھر نگاہ کرو وہی دل چاکری کرنے کے لیے تیار۔۔۔"

"کچھ کہا تم نے۔" باپ نے بیٹے کو دیکھا اور وہ باپ کی بجائے اسی سے مخاطب ہوا۔

"کوئی ایشو نہیں تم اپنے ابا کو بتانے بلکہ ان سے اجازت لینے جا سکتی ہو اگر وہ انکار کر دیں تو بھی تمہاری نوکری پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی تھی پھر ابا سے اجازت لینا کون سا مشکل تھا شام کے سات بجے تھے جب ان کی لینڈ کروزر پورے آٹھ ملازمین کو لے کر فارم ہاؤس کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

پرانی ملازمائیں پارٹی کی شان بیان کر رہی تھیں اور شہناز اپنے سر سے ڈھلک جانے والے آنچل کو سر پر رکھ رہی تھی کسی کی آواز اس میں گونج رہی تھی۔ "حیا ابھی تیری آنکھ میں بکل ڈالے بیٹھی ہے اسے کھدیڑ مت کر حیا نہ رہے تو دنیا رہتی ہے نہ دین پھر اللہ سائیں کہتا ہے جا میں نے تجھے چھوڑ دیا' جو مرضی آئے کر جہاں مرضی آئے اٹھ جہاں مرضی آئے بیٹھ میں تجھ سے حساب لوں گا نہ کبھی کتاب کا ڈر دوں گا بس پھر ایک واری ہی ملیں گے روز محشر وہیں ہو گا حساب بھی کتاب بھی۔۔۔"

"تجھے اتنی فکر کیوں ہے میری۔۔۔"

"پتا نہیں تیرا میرا رشتہ کیا ہے' مگر میرا دل ڈرتا ہے تیرے لیے کہ تو نادانی میں اپنا کوئی بڑا نقصان نہ کر لے۔"

لینڈ کروزر رک چکی تھی وہ سج سج اتری۔

"یہ تو لگتا ہے کہیں کی شہزادی ہے۔" دوسری ملازمہ نے کھلکھلاتے ہوئے کہا اور کھڑکی میں کھڑے شارق کی ساری توجہ اسی کی طرف مرکوز رہی ایک پراسرار مسکراہٹ اس کے پورے وجود پر مستی کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ وہ ہلکے ہلکے کھڑکی کے شیشے کو بجا رہا تھا جذباتی اضطراب بھی نمایاں تھا مگر آنکھوں کی شوخی حد درجہ سوا تھی۔

☆ ☆ ☆

شمشیر کا روم گڈی کے برابر والا تھا اور شارق نے اس بات پر حد درجہ احتجاج بھی کیا تھا۔ "ملازم سے سرونٹ کوارٹرز میں رہنا چاہیے۔" مگر گڈی کے آگے ایک نہیں چلی۔

"وہ ملازم نہیں ہے ہمارے گھر کا ایک فرد ہے جو پروٹوکول مجھے ملے گا وہی اسے۔"

"آہاں وہی احسان مندی کا شاخسانہ۔۔۔ جانتی ہوں میں اس نے تمہارے بابا کی جان بچائی تھی نا۔" اس کی دوست نے بلاوجہ طنز کیا اور وہ چڑ گئی۔

"ہاں بچائی تھی جان تو۔۔۔ تمہیں کیا اعتراض ہے اس پر۔۔۔"

دوسری آواز اس کے قریب آگئی۔

"کہیں جو میں سوچ رہی ہوں علینہ وہ سچ تو نہیں۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس نے تھوک نگلا۔

اور دوسری آواز شوخ ہو گئی "یہی کہ وہ شوفر سے بڑھ کر بھی تمہارا کچھ بن گیا ہے۔ ایسی گھسی پٹی کہانیاں سن سن کر دیکھ دیکھ کر پڑی ہوئی ہوں بس اس لیے! اگر یہ سچ ہے تو بات اور ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے ایشا۔" وہ غصے میں آگئی تھی کیونکہ وہ اس کی بات اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

پہلی آواز نے اسے ہاتھ پکڑ کر شوخی دکھائی تھی۔

"ہم تمہارے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنے والے بس اپنے ہاچومین کو ہم سے تھوڑا سا بانٹ لو' دوستوں میں مل بانٹ کر کھانا کچھ اتنا برا نہیں۔" گڈی کا چہرہ بلش کر گیا تھا وہ غصے میں باہر نکلی تھی۔ شمشیر بالکونی سے لگا گارڈن میں لگے درختوں میں پتا نہیں کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے شمس لوگ تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔"

شمشیر نے سنجیدگی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔"

گڈی نے اس کا کندھا دبوچا تھا پھر ٹھہر ٹھہر کر بولی

تھی۔

"وہ سمجھتے ہیں کہ تم میرے شوفر ہی نہیں بلکہ میرے۔۔۔"

شمشیر نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ہمارا بھلے کوئی رشتہ نہیں لیکن میں آپ کے منہ سے کوئی نازیبا بات سننے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ گڈی ہونق کھڑی رہ گئی۔ تب ہی کسی نے اس کی کمر پر دھپ لگائی تھی۔

"ہم نے تو تجھے ایک دل پشوری کا ذریعہ بنایا تھا تجھے اعتراض ہے تو ہمیں موقع دے تاکہ تیرے شمشیر' دم شیر سب گھاس کھانے لگیں گے۔"

"مائی ہیو یور سیلف۔۔۔"

ایشا نے برا سا منہ بنایا۔ گڈی چلی گئی تھی۔ ایشا غصے میں پھنکاری تھی۔

"ہونہہ بڑی پارسا بنتی ہے۔ جانتی ہوں اس کے آباؤ اجداد کو' اتنا ناچو میں قسم کا مرد اس کے گھر میں ہو اور یہ ستی ساوتری بنی رہے گی۔ میں بھی دیکھتی ہوں یہ اس کا شمشیر کتنے پانی میں ہے۔"

کسی نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"تجھے نہیں پتا وہ شمشیر کے لیے کتنی پٹی ہے۔ وہ ساری دنیا کے خلاف سن سکتی ہے مگر اس پر آنکھ بند کر کے یقین رکھتی ہے۔"

"اس کا یقین میں اپنے پیروں تلے روندوں گی۔" ایشا نے غصے سے کہا تھا۔ وہ ان کے جھرمٹ سے دور بیٹھا تھا۔ آج پارلی کیو نائٹ تھی۔ سارے کچن کے لوگ تکے' ریشمی کباب وغیرہ بنانے میں مصروف تھے ایک طرف کڑاؤ میں پراٹھے تلے جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ شمشیر اس پارٹی کا حصہ نہیں تھا۔

ملازمین باتوں کے ساتھ ساتھ کھانے کی تیاری میں بھی مصروف تھے کہ شارق اسی وقت کھانے کی تفصیل لینے آیا تھا۔ جب شہناز کے آنچل کو آگ لگی۔

شارق نے اس کا آنچل سر سے کھینچ کر زمین پر ڈالا اور جوتے سے آگ بجھانے لگا۔ شہناز سمٹ کر بیٹھی اپنی بے پردگی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ گڈی نے گھاس پر پڑے اس کے دوپٹے کو اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ شہناز کی آنکھوں میں آنسو تھے اور شارق نے اسے دیکھ کر سیٹی بجائی تھی۔

"واؤ تم تو اتنی خوب صورت ہو بلاوجہ کیا دقیانوسیت اپنائے ہوئے ہو۔"

گڈی نے شارق کی حرکت کو بہت ناپسندیدگی سے دیکھا اسے اچانک بہت ماہ پہلے کا واقعہ یاد آگیا تھا۔ جب وہ کچن میں اپنے لیے کافی بنانے گئی تھی اور اس کا دوپٹا چولہے کے برنر پر جا پڑا تھا۔ شمشیر اسی وقت اس کے ٹیلر سے کپڑے لایا تھا۔ اسے اپنے دوپٹے کے جلنے کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ شمشیر ہی شاپرز پھینک کر اندر آیا اور اس کے جلتے دوپٹے کی آگ کو ہاتھوں سے بجھایا۔ گڈی نے اس پر غصہ کیا۔ تب وہ مسکرا کے بولا تھا۔ "دوپٹا ہمارے لیے عزت کا سمبل ہے۔ میں اسے پیروں سے کیسے پامال کرتا' تھوڑے سے ہاتھ ہی تو جلے ہیں ہم لوگ تو دوپٹے کی آن پر اپنی جان قربان کر دینے والے لوگ ہیں جی۔"

وہ ہنس پڑی تھی۔ اسے یہ لاجک نہیں سمجھ آئی تھی۔ کیونکہ وہ اگر کبھی دوپٹا پہنتی یا اسکارف لیتی تو وہ بھی فیشن کی اک ادا سمجھ کر' اتنی گہرائی میں باتوں کو سمجھنے کی اس کی عمر نہیں تھی۔ لیکن اس منظر میں سے شمشیر کی بات زیادہ واضح سمجھ آگئی تھی۔

وہ لڑکی دوپٹا اوڑھ کر پھر سے کام میں لگ گئی تھی اور ایشا شارق کے کندھے پر ہاتھ مار کر خباثت سے ہنسی۔

"عجیب بے وقوفانہ اسٹائل مار رہی تھی۔ جیسے کہیں کی شہزادی ہو۔ ان غریب گھروں میں تھوڑے سے پیسوں کے لیے بڑے بڑے معاملات کیسے ایڈجسٹ ہوتے ہیں' مجھے معلوم ہے۔ اس طرح کی ادا دکھا کر اپنا ایریئر لاؤنٹ بڑھانا چاہتی ہے۔"

گڈی نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر اس کی باتوں کا سارا غصہ فضا میں تحلیل کیا۔ یہ ساری باتیں نارمل باتیں تھیں۔ ان کی کیدرنگ میں مگر آج پتا نہیں اسے کیوں برا لگ رہا تھا۔ شارق کھانا کھا کر اٹھ گیا۔ وہ لڑکی بھی غائب تھی۔ ایشا کو پھر موقع مل گیا۔

"تم نے دیکھا سارے علم ٹھنڈے پڑ گئے۔ ہاہا عزت مائی فٹ۔" گڈی نے گھبرا کے دیکھا مگر اس کے قریب کوئی نہیں تھا۔ تب ہی اجمل اس کے بہت قریب آگیا تھا۔

"تم آج بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔"

"صرف کمپلیمنٹ ہے یا کوئی خاص مقصد۔" وہ حد درجہ منہ پھٹ واقع ہوئی تھی اجمل پزل ہو گیا۔ "کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"تو گزارو' میں بیٹھی ہوئی ہوں۔" اس نے اعصاب ڈھیلے چھوڑے اور اجمل نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "یہاں نہیں اکیلے میں کچھ وقت تم نہیں جانتی ہو' عرصہ تین سال سے تم میں انٹرسٹ رکھتا ہوں۔"

"کس حوالے سے؟ فلرٹ کرنا ہے' ٹائم پاس یا شادی۔۔۔"

"تم ضرورت سے زیادہ سچ بولتی ہو' مجھے کبھی کبھی تم سے ڈر لگتا ہے۔"

"حالانکہ تمہارا میرے ساتھ ایسا کوئی ناتا نہیں کہ تمہیں میرے سچ بولنے یا مجھے تمہارے جھوٹ بولنے سے کوئی فرق پڑتا ہو۔"

"سگریٹ پیوگی' مجھے معلوم ہے تم چین اسموکر ہو۔"

"ہاں۔۔۔ مگر میں اپنے سارے شوق اپنے خرچ پر پورے کرتی ہوں۔"

"اور میں نے سنا ہے اگر دوست کوئی فرمائش کرے تو نہ کہنے کی گنجائش نہیں۔" گڈی نے سگریٹ کیس سے سگریٹ اٹھا لیا اجمل نے لائٹر سے آگ دکھائی اور سگریٹ کے ختم ہونے سے پہلے وہ مکمل طور پر نشے کی آغوش میں تھی۔

ایشا اجمل کے سر پر کھڑی تھی۔ "اس قابل مت چھوڑنا کہ یہ پھر کبھی ہمارے سامنے سر اٹھا کر کوئی آرگومنٹ کر سکے۔ اسے اذیت کے اس مقام پر پہنچاؤ کہ اس کے باپ کی ساری دولت بھی مل کر اس کی روح کے گھاؤ کو بھر نہ سکے۔" اجمل کے چہرے پر خباثت ہی خباثت تھی۔

☆ ☆ ☆

شمشیر اکیلا بیٹھا شاعری کی کتاب پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر توجہ بھٹک بھٹک کر منتشر ہو رہی تھی تب ہی وہ بے زار ہو کر کمرے سے باہر نکلا اس کے کانوں میں شارق کے کمرے سے کسی کی بہت مدھر آواز ٹکرائی تھی۔ آواز اتنی خوب صورت تھی کہ وہ کوریڈور میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے قدم اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ جب کسی کی نسوانی خوف زدہ آواز سنی تھی۔

"آپ ہوش میں نہیں لگتے ہیں مجھے جانے دیجیے۔"

"تم نہیں جانتی میں نے کیسے کیسے نہیں منایا اپنے دل کو مگر یہ تمہارے قرب کی خیرات لیے بغیر سکون نہیں پا سکتا۔" شمشیر صرف نظر کر کے گزرنے والا تھا۔ جب دروازہ کھول کر ایک ہونق وجود اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ شمشیر کے تن بدن میں اس وجود کو دیکھ کر آگ لگ گئی تھی۔ شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر کمرے میں کھینچ لیا اور وہ بند دروازے پر شوز کی ٹو مار کر تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر گیا۔ "میں غلط سمجھا تھا' میں ہی غلط سمجھا تھا۔ اسے زیادہ دولت کمانی ہے' آسان طریقے سے۔ میں سمجھتا رہا اس کے وجود میں اس کی روح بہت پاک مصفا پانیوں میں غسل کرتی ہے۔ حیا اس کے کردار کا حوالہ ہے مگر میں غلط تھا۔ وہ صرف خوب صورت جسم ہے صرف خوب صورت جسم۔"

وہ نیچے آیا گڈی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ سب کے کمرے بند تھے۔ جب اس کی توجہ چیخ و پکار نے کھینچ لی۔

بجلی کی تیزی سے ایک خیال کوندا' اس نے دروازے کو اپنے کندھے سے توڑنا شروع کر دیا اور بالآخر کھول دیا۔ گڈی ڈری سہمی صوفے کے پیچھے بیٹھی تھی اور اجمل کی حالت دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس ذہنی اذیت سے گزری ہے۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے روم میں داخل ہونے کی۔"

اس نے اس کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ گڈی کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

"میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔ شارق کا دوست ہوں۔ میرے باڈی گارڈ تمہیں گولی مار کر یہیں فارم ہاؤس میں دفنا دیں گے تو کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا تم کہاں گئے۔" اس نے شمشیر کا کالر کھینچ کر اپنے تئیں حاکمیت ظاہر کی تھی مگر شمشیر کے لیے ایسے لہجے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اس نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس کی طرف تان دی۔ "اگر میں تمہیں یہاں گولی ماردوں تو مجھے سزائے موت ملے گی یا عمر قید اور تم جانتے ہو میں مرنے سے نہیں ڈرتا ہوں۔" اس کی آنکھیں آگ اگل رہی تھیں۔ شمشیر نے اپنا کوٹ گڈی کو پہنا دیا۔

"آپ نے پھر ڈرگس لی تھیں۔ میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے یہ ڈرگس انسان سے اس کا دماغ' اس کی عزت نفس سب چھین لیتی ہے۔"

"میں نے نہیں لی یہ اجمل نے عام سگریٹ میں ڈال کر دی ہے۔" وہ شرمندہ تھی۔ شکر تھا کہ وہ ڈرگس کی عادی تھی اس لیے کچھ لمحے کے لیے اس کے دماغ نے غوطہ تو لگایا مگر سب کچھ طوفان میں لٹ جانے سے پہلے اس کا ہوش و خرد لوٹ آیا۔ اس کی چال میں نشے کی وجہ سے لڑکھڑاہٹ تھی اور چہرے پر پشیمانی۔

شمشیر نے شارق کے روم کی کھڑکی کی طرف دیکھا اور اسی وقت ایک ساعت میں جھماکا ہوا۔ وہ کچھ سمجھ بھی نہیں پایا تھا کہ ایک وجود فرانس کی قد آدم کھڑکی سے باہر آن گرا۔ گڈی پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔

"شہناز ہے یہ شہناز۔ شمشیر شہناز مرگئی۔"

شمشیر بھاگ کر اس کے قریب پہنچا۔ "میں نے تم سے کہا بھی مجھے بچالو مگر تم نے......" یہ جملے اس کی سماعت میں زہر کی طرح پھیل گئے تھے۔

گڈی اب بھی شہناز کے پاس بیٹھی بس چیخے جارہی تھی۔ "آپ میں سے کوئی فرسٹ ایڈ دے سکتا ہے اسے۔" شمشیر نے ملتجی لہجے میں کہا تھا۔

ایک لڑکی اتنے سارے لوگوں میں سے باہر آئی یہ سب میڈیکل اسٹوڈنٹ تھے۔ لڑکی اسے فرسٹ ایڈ دینے لگی اور باقی سب لوگ اس سرپرائزنگ نائٹ کو برباد کرنے والوں کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ بچ سکتی ہے اگر ہم اسے ٹھیک وقت پر اسپتال لے جاسکے۔" شمشیر کا دماغ سن تھا مگر پھر بھی وہ بہت تیزی سے گاڑی نکال کر لایا۔

گڈی اس کے برابر بیٹھی۔ وہ خود زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھی اور وہ لڑکی اپنے پارٹنر کے تمام تر غصے کے باوجود اس کی گاڑی میں آن بیٹھی تھی۔ شہناز کو سنبھالے ہوئے اس کی ہارٹ بیٹ کو مسلسل چیک کررہی تھی۔ ایک گھنٹے کا راستہ آدھے گھنٹے میں طے کرکے جب وہ اسپتال پہنچے تو گڈی اور شمشیر کو یقین تھا وہ لڑکی مرچکی ہوگی اور ڈاکٹر بس اس کی موت پر اسٹیمپ لگانے کی کارروائی پوری کریں گے۔ تینوں انتظار گاہ میں بیٹھے تھے مگر گڈی نشے کی وجہ سے تقریباً غنودگی میں تھی۔

سامنے بیٹھی لڑکی مترنم مگر قدرے دکھی لہجے میں بولی۔

"بہت پیاری لڑکی تھی شہناز' شارق کے گھر میں کچن کے کاموں کے لیے اپائنٹ کی گئی مگر شارق اس معاملے میں جانور ہے۔" "وہ اس کے کمرے میں تھی۔ گانا سنارہی تھی۔" شمشیر نے پتا نہیں اس لڑکی سے گلہ کیا یا شہناز سے۔ وہ دل گیری سے مزید بولی۔

"ہاں اس کی آواز بہت پیاری ہے۔ میں اکثر اس کے گھر اس کی سسٹر سے ملنے جاتی رہتی ہوں۔ شارق کی بہن نو عمری سے پیرالائز ہے۔ شہناز کو میں کئی بار ملی ہوں وہیں اسے گاتے سنا ہے۔ شارق کی بہن کو میوزک بہت پسند ہے' ڈانس کی بہت شوقین تھی مگر ایک کار ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اس کے سارے شوق اور خواب ادھورے رہ گئے۔ بس میری غلطی کہ باتوں باتوں میں' میں نے اس کی گائیکی کا ذکر چھیڑ دیا۔ تم تو جانتے ہو یہ غریب لوگ اپنی نوکری کو بچانے کے لیے

کیسے کیسے کمپرومائزز نہیں کرتے' شاید اس نے بھی یہی سوچا گانا سنانے میں کیا ایشو ہے۔ مگر شارق کو میوزک سے کبھی دلچسپی نہیں رہی اسے صرف......"

"پلیز۔" وہ کہہ کر مڑ گیا۔ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ لیکن شہناز جیسے اس کے برابر کھڑی تھی۔

"میں نے تم سے کہا بھی مجھے بچالو' لیکن تم......" اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔ "شارق بہت شاطر ہے۔ وہ اس سچویشن سے نکلنے کے لیے جھوٹی سچی کہانی ضرور گھڑے گا۔ سب سوال پوچھیں گے' ایک تماشا بن جائے گا۔"

شمشیر نے اس کی طرف دیکھا۔ "اگر اس نے ان دونوں میں سے کسی کو تماشا بنانے کی کوشش کی تو میں ان سے اچھا تماشا گر ہوں' کافی پڑھے لکھے لوگوں سے دعا سلام ہے ان میں صحافی بھی ہیں بخیے ادھیڑ کر رکھ دیں گے شارق اور اجمل کے۔"

"تم اپنے ایٹی ٹیوٹ سے صرف شوفر نہیں لگتے تم علینہ کے گھر کیا کررہے ہو؟"

"آپ بھی تو ان جیسے مزاج کی نہیں لگتیں۔ پھر ان کے گروپ میں کیا کررہی ہیں؟" الٹا سوال کیا لڑکی کی آنکھوں نے رنگوں کو چھوا تھا۔

"میں اظفر سے محبت کرتی ہوں۔"

"محبت! ہمیشہ ایک بات یاد رکھیے گا بی بی جو واقعی آپ سے محبت کرتا ہے نا۔ وہ کبھی آپ کو اپنے دوستوں میں لے جاکر نہیں چھوڑ دیتا۔ وہ کبھی ایک باقاعدہ اور شرعی رشتہ سے پہلے آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتا چہ جائیکہ وہ آپ کی قربت کا تمنائی بن جائے۔ حیا عورت اور مرد دونوں کے کردار کا نکھار ہے۔ ایک بار قدم ڈگمگایا پھر ساری زندگی پستی میں گزر جاتی ہے۔"

لڑکی نے اس کی طرف گہری نظر سے دیکھا "تم صرف شوفر نہیں ہو۔"

شمشیر نے اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر کہا۔

"شوفری میرا پیشہ ہے' میرے کردار کا ایک حصہ سو میں سے صرف ایک حصہ' میں انسانیت پر ہر چیز سے بڑھ کر یقین رکھنے والا اور یہ حوالہ میں کسی طور نہیں بھولنا چاہتا۔"

لڑکی نے بیگ سنبھالا تھا اور اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

"میری باتوں پر ایک بار سوچیے گا ضرور' انسان اپنے دوستوں سے اپنی گیدرنگز سے پہچانا جاتا ہے۔"

وہ سر ہلا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ شمشیر نے گڈی کی طرف دیکھا تھا اور اس کے باس کے جملے اس کے دماغ میں گردش کرنے لگے۔

"پلیز شمشیر سیو مائی گرل شی از انوسینٹ۔"

"پتا نہیں گڈی مجھے تم پر غصہ کیوں نہیں آتا۔" وہ اس کی کرسی کے برابر آکر بیٹھ گیا اس کے ماتھے پر آئے ہوئے شیگی کٹ بال ہٹائے۔ بہت نرمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر اجمل تھوڑا سا اور مس بی ہیو کرتا تو آج وہ میرے ہاتھ سے واقعی قتل ہوجاتا' اس نے میری گڈی پر بری نظر ڈالی۔" تب ہی آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا۔

"ہم نے آپریشن کردیا ہے آپ دعا کریں۔ انہیں جلد ہوش آجائے ویسے بہت لکی ہیں وہ ورنہ اس کنڈیشن کا متاثرہ ایٹ دی اسپاٹ ایکس پائر ہوجاتا ہے۔"

"غریب کی اولاد ہے سخت جان تو ہوگی نا۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ شیشے کے پار اس کے دیکھنے کا انداز ہی بدل گیا تھا ہونٹوں کی مسکراہٹ آنکھوں کی چمک۔

"شہنی ویک اپ۔" ہولے سے اس کے عکس کو چھوا اور کرسی پر واپس آکر بیٹھ گیا' وہ اب اپنے باس کو فون کرکے تفصیل بتا رہا تھا۔

"جی سر وہ ان کی ملازمہ بے دھیانی میں کھڑکی سے نیچے آن گری اس لیے جی ــــ میم صاب میرے ساتھ اسپتال میں ہیں۔ آپ کہیں تو میں انہیں گھر چھوڑنے آجاؤں ویسے گڈی صاحبہ کا یہاں رکنے کا دل ہے۔"

افضل علی بیٹی کی ضد سے واقف تھے سو فوراً اجازت دیتے ہوئے کہا۔ "او کے اگر وہ رکنا چاہتی ہیں تو رہنے دو' زبردستی آبھی گئیں تو موڈ آف رہے گا ان کا۔"

"او کے میم صاحب کو ان کے متعلق کچھ نہ بتائیے گا آپ تو جانتے ہیں گڑی صاحبہ اور ان کے درمیان ہمیشہ کلیش اور آرگومنٹ رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ فون رکھ چکے تھے۔

شمشیر کبھی گڑی کو دیکھتا کبھی آئی سی یو کے گلاس ڈور سے شہناز کو' پھر صبح صادق کا وقت تھا جب گڑی نے ایک دم چیخنا شروع کر دیا۔ "شہناز مر گئی شمس شہناز مر گئی۔" وہ بھاگ کر گڑی کے پاس آیا تھا' کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑ کر بولا۔

"نہیں مری شہناز آپ اٹھ کر دیکھیں وہ رہی۔ ڈاکٹر کہتے ہیں بہت لکی ہے پیشنٹ...."

گڑی نے خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا اپنے وجود پر اس کا کوٹ دیکھ کر اسے سوئی جاگی کیفیت میں رات کی باتیں یاد آنے لگیں اس کا چہرہ بلش کر گیا آنکھوں میں شرمندگی سی شرمندگی تھی۔

"میں بہت بری ہوں شمس...."

شمشیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نہیں آپ بس تھوڑی سی ناسمجھ ہیں گڑی صاحبہ ورنہ آپ کا دل بہت اچھا ہے افضل صاحب کی طرح۔"

"نہیں ہے اچھا میرا دل' تم جھوٹ کہتے ہو' میرے دکھ کو کم کرنا چاہتے ہو۔"

"غلطی اور گناہ میں فرق ہوتا ہے' آپ نے غلطی کی شارق جیسے فرینڈ بنا کر لیکن وہ اللہ آپ کی بھلائی چاہتا تھا۔ تب ہی سارے چہرے ایک ساتھ بے نقاب کر دیے اور آپ گناہ سے بچ گئیں۔"

"میں ڈر رہی ہوں میں نے آج تک نماز نہیں پڑھی۔ مجھے اللہ کبھی یاد نہیں آیا۔" شمشیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "آپ نے سوچا یہ سوچ دل میں پیدا ہونا بھی بہت خوش آئند بات ہے۔ یہ سوچ واقعی میں صرف ان دلوں میں پیدا ہوتی ہے جنہیں اللہ چاہتا ہے وہ بندہ اسے یاد کرے صبح شام دن رات ایک ایک پل۔ رہی نماز تو اپنی عمر کا کیلکولیشن کریں اوسط عمر 45 بھی رکھ لی جائے تو آپ کے پاس واپسی کے لیے غلطی کو سدھارنے کا ایک طویل وقت ہے گڑی صاحبہ۔"

"اور اگر میں کل مر جاؤں میری اوسط عمر پینتالیس سال بھی نہ ہو تو۔" شمشیر گہری مسکراہٹ سے دیکھا۔

"ہمارے عمل کی عمر ہماری اوسط عمر سے بھاری ہوتی ہے۔ اللہ سائیں بہت مہربان ہے۔ بہت تھوڑے پر راضی ہو جاتا ہے۔ واپسی کے قدم گن کر کبھی اجر نہیں دیتا۔ بس محبت میں پلٹ آنے والے کا دل دیکھتا ہے اور جھولی بھر کر لوٹاتا ہے' آگے بڑھ کر راستے صاف کرواتا ہے بھٹکا ہوا لوٹ رہا ہے تو کہیں ٹھوکر' کنکر کا نشانہ لگ جائے۔"

"اور جن کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا جن کے واپسی کے راستے کانٹوں سے پتھروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ... ان کے لیے کیا کہو گے تم۔"

"وہ لوگ پھر عام نہیں ہوتے جنہیں اللہ مشکل سے پاس آنے دیتا ہے۔ وہ لوگ اس کے خاص ہوتے ہیں جنہیں وہ نکھارتا ہے' دکھ شکایت دے کر آزماتا ہے ان کی محبت کو' کتنی سچی کتنی پکی اور کتنی خالص ہے اور جب وہ اس کسوٹی پر پورا اتر جاتے ہیں تو بانہیں پھیلا کر انہیں سینے سے لگا لیتا ہے۔ انہیں ہزاروں میں سے چن کر ایک رتن کی طرح الگ رکھتا ہے۔ وہ سب میں ہو کر بھی سب سے الگ و کھرے اور بہترین انسان ہوتے ہیں۔"

"جیسے... جیسے تم ہو شمس...؟"

شمشیر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

"گڑی صاحبہ میں ان لوگوں میں سے کیسے ہو سکتا ہوں۔ میں تو عام انسانوں سے بھی عام ہوں میں تو انسانیت کا خادم ہوں اور بس' اگر میں کسی پر مہربانی کرتا ہوں تو یہ مہربانی میں کسی پر نہیں کرتا خود اپنی روح پر کرتا ہوں مجھے اپنی روح کا وہ عہد یاد رہتا ہے جو اس

مالک کل کے سامنے ہم سب کی روحوں نے کیا تھا۔ بھولنا آسان یاد رکھنا مشکل' سزا دینا آسان مہربانی کرنا مشکل اور بس قدرتی طور پر مجھے مشکل کام کرنے کی عادت ہے۔"

"تمہاری ساری عادتیں ایک مہربان انسان جیسی ہیں' مجھے یقین ہے تم ضرور جنت میں جاؤ گے۔"

"اللہ آپ کی زبان میرے حق میں مبارک کرے گڑی صاحبہ۔" وہ مڑ کر نرس کی نقل حرکت دیکھنے لگا تھا۔ کیا ہم مریضہ سے مل سکتے ہیں۔

"آپ مریضہ کے ریلیٹیو ہیں۔"

"جی ہاں شی از مائی فیانسی۔"

"او ہ... ٹھیک ہے آپ مل سکتے ہیں۔ لیکن دو منٹ کے لیے' ویسے بھی وہ ابھی بے ہوش ہے۔" شمشیر نے سر ہلایا تھا۔

"مجھنی کے سٹی اسکین کی رپورٹ ٹھیک آئی تھی میم۔"

"ہاں' ہاں... وہ بالکل ٹھیک ہے' حیرت انگیز طور پر ورنہ اتنی اونچائی سے گر کر کسی کو میں نے تو آج تک بچتے نہیں دیکھا۔"

"وہ شہنی ہے میم' اسے اللہ نے بہت حوصلہ اور ہمت دی ہے۔ ہم غریب لوگوں کے پاس حوصلہ اور ہمت ہی تو ہوتی ہے۔ جس سے ہم طوفانوں کے رخ موڑ دیتے ہیں۔" نرس جا چکی تھی اور وہ خود سے بول رہا تھا۔

"میں نے اللہ سے تمہیں مانگا تھا کہ میری زندگی کو سنوارنے والے ہاتھ زندگی میں زندگی بھر دینے والا لہجہ بخش' شہناز کو میرے لیے پلٹا دے اور اس نے میری دعا رد نہیں کی وہ بہت مہربان ہے۔"

گڑی اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے بارے میں اندازے لگا رہی تھی۔ تب ہی اٹھ کر اس کے قریب آگئی تھی۔ "شمس' شہنی ٹھیک ہو جائے تو ہم بہت دھوم دھام سے اس کی شادی تم سے کر دیں گے۔"

شمشیر نے گلاس ڈور پش کیا تھا۔ وہ دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند میں تھی۔

وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا اسٹاف اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ پر ہولے سے ہاتھ رکھا اور بہت محبت سے بولا۔ "زندگی تمہارے لیے منتظر ہے اور ان منتظر لوگوں میں ایک میرا بھی شمار ہے۔ اگر تمہاری جاگتی آنکھوں نے میرے وجود کو اپنا کہہ کر گلے سے لگا لیا تو میں سمجھوں گا۔ میری خفتہ محبت نے منزل کا پتا پایا۔ لیکن اگر تمہاری جاگتی آنکھوں میں میرے لیے اجنبیت ہوئی تو میں جس خاموشی سے تمہاری زندگی میں آیا اسی خاموشی سے چلا جاؤں گا۔"

وہ اس کے ہاتھ کو تھپک کر واپس لوٹ گیا تھا۔ پھر شام کو اسے ہوش آیا تھا اس نے اپنے باپ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ شمشیر جب پتا پوچھتا اس کے گھر تک پہنچا وہ خوف زدہ سا اپنے بستر پر بیٹھا تھا۔

"کیا آپ بیمار ہیں؟"

"تم کون ہو؟" اس نے الٹا شمشیر سے سوال کیا۔

"آپ کی بیٹی کی خبر لایا ہوں۔"

بوڑھے کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "کیا میری بیٹی مر گئی۔" شمشیر مسکرایا۔

"آپ کے لیے خبر کا مطلب صرف موت ہی کیوں ہے بابا جی۔" بوڑھا بے چارگی سے بولا۔ "اس لیے کہ ہمارے گھروں تک بس ایسی ہی خبریں آتی ہیں۔ موت کی خبر' عزت کے لٹ جانے کی خبر' جھگڑے میں پولیس آنے کے بعد تھانہ کچہری کی خبر' خوشی کی خبر تو بہت کم آتی ہے ان راستوں پر۔"

شمشیر نے بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"مگر آج ایک خوشی کی خبر ہے آپ کے لیے' کسی نے آپ کی بیٹی کی عزت کو سستا سمجھا مگر آپ کی بیٹی نے اپنی جان کی قیمت پر اس کی حفاظت کی... وہ شدید زخمی ہو گئی ہے۔ لیکن اس کی زندگی خطرے سے باہر ہے۔" بوڑھے کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"وہ میری بیٹی ہے' اس نے ثابت کر دیا کہ وہ میری بیٹی ہے۔" شمشیر کو اس کے چہرے کی خوشی سے

تسکین مل رہی تھی۔

"کیا آپ چل سکتے ہیں۔" اس نے بوڑھے کے بستر پر پیروں کو سمیٹے بیٹھے دیکھ کر اک خیال آنے پر سوال کیا۔

"میں چل سکتا ہوں مگر شہناز کی مشکلیں آسان کرنے کے لیے میں نے خود کو سمجھایا ہوا ہے کہ میں چل نہیں سکتا۔ کیونکہ میں چلتا ہوں تو میرا رخ جوئے کی جگہ، نشے بازوں کا جھرمٹ ہوتا ہے۔ میں اپنی وجہ سے اپنی بیٹی کی عزت تار' تار نہیں ہونے دے سکتا۔"

"آپ نے نشہ ایک دم سے چھوڑ دیا۔۔۔ کیسے؟" شمشیر واقعی حیران تھا۔ "شہناز کی توجہ محبت کے لیے۔ میں نے نشہ اور یہ کڑواہٹ اس کی ماں کی بے وفائی کی ضد میں اپنایا تھا۔ سو اپنی بیٹی کے حق میں' میں اپنے آپ سے ہار گیا اور مجھے اس ہار سے سکون ملتا ہے۔"

"وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔"

"پہلے صرف لگتا تھا' لیکن اب مجھے یقین آگیا کہ وہ میری بیٹی ہے۔ اس نے دولت کو ٹھوکر مار کر عزت کو اپنایا ہمارا خاموش معاہدہ ہوا تھا۔ میں نے اپنی بیوی کے زہر بھرے فیصلے پر اسے سزائے موت دے دی تھی۔" بوڑھے نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ "تم مجھے دیکھے دیکھے لگتے ہو مگر یاد نہیں آرہا میں تم سے کہاں ملا ہوں۔" وہ مسکرا کے ان کے پیر نیچے لٹکا کر نرمی سے بولا۔

"آپ چلنا تو نہیں بھولے ہیں نا کہیں ضد میں بالکل ہی چوپٹ ہوگئے ہوں۔"

بوڑھے نے چپل میں پیر گھسائے تھے۔

"دیکھ لو' پورا بار اٹھاتے ہیں میرے پاؤں' میرے جسم میں پہلے سے بڑی طاقت آگئی ہے۔ اپنے سارے کام خود کرتا ہوں۔" وہ منہ دھوئے بنا جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ تب بوڑھے نے پھر اسے دیکھا۔ "اب مجھے یاد آیا تم وہی ہو نا جس نے شہناز کو پہلی بار رقم دی تھی۔ ایسی رقم کہ اس کی زندگی بدل گئی تھی۔ اسے پہلی بار حرام میں سے حلال کو الگ کرنے کا ہنر آیا۔ کیا تم جادوگر ہو۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"نہیں بابا میں جادوگر نہیں' بس ہر شخص کے ساتھ نیک نیت رہتا ہوں۔ اس لیے اللہ میرے کاموں میں آسانیاں ڈالتا ہے اور جو کہیں مشکل ہو تو وہ بھی اس لیے ٹالتا ہے کہ میرا رابطہ اس سے منقطع نہ ہوجائے میں اسے یاد کرتا رہوں۔"

"بہت ہی نیک کمائی ہو کسی کی۔" بوڑھے کی آنکھوں میں ایسا فخر در آیا جیسے شمشیر سے تعلق ہونا بھی کوئی کمال کی بات ہو۔

اس نے گاڑی کو یوٹرن دیا اور پھر مسکرا کے بولا۔ "نشہ چھوڑنا آسان کام تو نہیں' تمہیں درد نہیں ہوتا تھا۔"

"بہت ہوتا تھا مگر جب شہناز نے مجھے اسپتال میں بھرتی کروایا تو بولی "ابا جیسے میں تجھ سے محبت کرتی ہوں' تو مجھ سے ویسی محبت نہ کر۔۔۔ مگر بس محبت کر چکی بھرماشے بھر ہمیں خوش ہو کر دنیا کے سامنے سر فخر سے بلند کروں گی۔ میرا باپ جو مر گیا تھا۔ وہ زندہ ہو کر میری پشت پر آن کھڑا ہوا ہے۔" میں بس روتا رہا۔ اس کے ہاتھ تھام کر وہ میری بیٹی تھی۔ مگر مجھے لگا وہ ایک دم سے میری ماں بن گئی ہے۔ میں جب بدن کو بل دے دے کر چیختا تو وہ پتا نہیں کیا کیا پڑھ کر مجھ پر پھونکتی اور پھر ایک دن میں سو رہا تھا جب اچانک مجھے لگا' میری اماں میرے سرہانے کھڑی ہیں اور سورہ رحمان کی بس ایک آیت میرے کانوں میں پھیلتی جارہی ہے۔ "احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے؟ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" تب مجھے لگا میرے درد پر کسی نے ٹھنڈے میٹھے پانی کی بارش کردی ہے۔ شہنی کی محبت کا احسان کا بدلہ محبت کے سوا کیا تھا بس پھر دل پکا کرلیا۔"

وہ اسپتال کے سامنے گاڑی روک چکا تھا اور لفٹ کے ذریعے بابا کو لے کر اوپر پہنچا۔ بابا اسے اس حالت میں دیکھ کر رو پڑا تھا۔

وہ اس طرح بے آواز گریہ کر رہا تھا کہ شمشیر کو لگا وہ ابھی کے ابھی مرجائے گا۔ تب ہی وہ قریب آیا تھا۔

اس نے بوڑھے کو اپنے چوڑے سینے سے لگالیا۔

"وہ زندہ ہے اور ڈاکٹر کہتے ہیں وہ خطرے سے باہر ہے۔ رہی تھوڑی بہت جسمانی خامی تو تمہاری بیٹی کے اندر اس قدر خوب صورتی ہے اس عیب کو کوئی بھی نظر انداز کردے گا۔"

بوڑھا اس کے سینے سے الگ ہوا تھا۔ اب اس نے شمشیر کے دونوں ہاتھ پکڑ کے رونا شروع کردیے تھے۔ تب ہی گڈی آگے بڑھ گئی تھی۔ "مت روئیے بابا جی' آپ کی بیٹی سے ہمارے شمشیر صاحب شادی کریں گے۔ میں خود ان دونوں کا بیاہ کرواؤں گی۔" شمشیر نے حیرت سے دیکھا۔ گڈی اس بوڑھے کے دل میں کیسے اتر گئی تھی۔

تو گیا اس کا دل الہام سمیٹنے لگا تھا۔ مٹی' سونا بننے لگی تھی۔

وہ مسکرا دیا اور اس نے بوڑھے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"گڈی صاحبہ سچ کہہ رہی ہیں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا بابا جی۔"

بوڑھے کے جسم کو لگا کسی طوفان نے چھوڑ دیا رخ بدل کر کسی اور طرف نکل گیا۔ "میں اپنی عارضی تکلیفوں میں جلتا کڑھتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم تھا زندگی کبھی بھی کہیں سے بھی بدل سکتی ہے۔ نئے راستے پر چل سکتی ہے۔ میں گئے قدموں کو سانپ کی لکیر کی طرح پیٹتا رہا۔ اپنے آپ کو کوستا رہا کہ گھر سے بھاگی ہوئی ماں کی بیٹی کو کون بیاہنے آئے گا۔ اسی سوچ سے سفاک ہوگیا۔ اسے اپنی بیوی کے غلط فیصلے کی طرح میں نے بھی ایک غلط راستہ دکھایا۔ مگر میری بیٹی کی قسمت اچھی تھی کہ اس کی زندگی میں تم آگئے۔" وہ تشکر سے رو رہا تھا۔ شمشیر نے اسے دلاسا دیا اور زندگی ایک امید دے کر آگے بڑھ گئی تھی۔ پھر دوسرا دن تھا جب اچانک ایک چینل نے یہ خبر بریک کردی تھی۔

شارق کے والد ایک مشہور بزنس مین تھے۔ ایسی خبر تو ہاٹ کیک کی طرح میڈیا میں اٹھی تھی۔ لوگ شہناز کا پوائنٹ آف ویو لینا چاہتے تھے مگر شمشیر نے اسے ہر ذہنی اذیت سے بچالیا۔ ایک قربانی کا بکرا مل گیا تھا جو شارق کا ایک لوئر مڈل کلاس کا دوست تھا۔ اس نے میڈیا کے سامنے اپنی اس حرکت کی معافی مانگی اور دوسرے ہاتھ سے شارق کے پاپا کی ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے اچھے گھر اور گاڑی کی ڈیل سائن کرلی تھی۔

شمشیر کی مسکراہٹ بہت زہریلی تھی۔ اسے وہ لڑکی پھر شارق کی کیٹرنگ میں نظر آئی۔ تب اس نے ایسے ہی خیر سگالی کے لیے سلام دعا کا ارادہ باندھا مگر اس لڑکی نے اسے قطعی اگنور کردیا تھا۔ "اگر بدنامی لڑکی کا حصہ بنے تو وہ مدتوں نسلوں تک اس کا بوجھ اس بدنامی کا طوق گلے میں ڈالے پھرتی ہے۔ مگر انسان معاف کرتے ہیں نہ خود اس کا ضمیر لیکن اگر غلطی مرد سے ہو تو لوگ دو چار سال میں اسے بھول جاتے ہیں۔ اگر لوگ اس کے خلاف بولتے بھی ہیں تو اس کے پیٹھ پیچھے' پھر وہ چند جملوں کی بدنامی رہ جاتی اور چند جملے آہستہ آہستہ مٹتے مٹتے نیک نامی کی کمائی میں کب کیسے ڈھل جاتے ہیں پتا بھی نہیں چلتا۔" شمشیر نے ہواؤں کو مخاطب کیا تھا مگر پیغام اس لڑکی تک ضرور پہنچا تھا جسے وہ کسی بلکہ ہر آفت سے بچالینا چاہتا تھا۔ وہ اس لڑکی کا نام بھی نہیں جانتا تھا بس اسے اس نیکی کی وجہ سے جانتا تھا۔ جس نیکی نے اس کی شہناز کی زندگی کو بچالیا تھا۔ وہ تو بس احسان کا بدلہ احسان سے دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ لڑکی صورت سے بے وقوف نہ لگتے ہوئے بھی دلی طور پر بالکل پاگل تھی ہوس کو محبت سمجھتی تھی۔ جانور کو انسان سمجھ کر اپنی زندگی کے بہترین سال اس کے ساتھ ضائع کرنا چاہتی تھی۔

شمشیر اس میڈیا ٹرائل سے باہر آگیا تھا۔ معاملہ دب گیا تھا۔ شارق کا دوست بیل پر رہا ہوگیا تھا اور ایک بہت اچھی زندگی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ نہ ماں نے صدمے سے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی تربیت کی دہائی دی تھی' نہ باپ نے اعلا طبقہ میں دوستی گانٹھنے پر کوئی سرزنش کی تھی۔ سب نے ایک دوسرے سے خاموش معاہدہ کرلیا تھا۔ ہاں صرف شارق تھا جس نے

قسم کھائی تھی کہ وہ اس بے عزتی کو سود سمیت گڑی کے کھاتے میں ضرور ڈالے گا۔ شمشیر... گڑی کا ترپ کا پتا ہے۔ گڑی کہیں پھنسے گی تو شمشیر خود بخود اس جال میں پھنستا چلا جائے گا۔ اجمل بھی اپنی خوب صورت نائٹ برباد کرنے کے لیے شمشیر کی جان کو رو رہا تھا۔ ایشا' للی' سمیرہ بھی بل کھا رہی تھیں کہ اتنے اچھے پروگرام کو شمشیر نے کتنی آسانی سے سبوتاژ کر دیا تھا۔

اور ان باتوں سے بالکل الگ شمشیر علی تھا اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن۔ اب وہ اکثر شہناز کے گھر جانے لگا تھا۔ گڑی نے شہناز اور شمشیر کی شادی کی بات طے کروا دی تھی۔ شمشیر شہناز کا پورا دھیان رکھ رہا تھا۔ اس کے لیے پھل' دوائیں' ہر چیز کا خیال جس طرح رکھ رہا تھا راحت اللہ اس سے بہت خوش تھا مگر خوشی کے ساتھ ساتھ ایک دکھ بھی اس کی آنکھوں میں تیرنے لگا تھا۔

شمشیر نے پہلے تو سوچا وہ خود بتا دے گا پھر اس نے ابا کو منہ دھوتے جا پکڑا۔

"دکھ ہے کوئی؟"

ابا نے چہرے پر چھپاکے مارے۔

"نہیں مجھے کیا دکھ' اتنے اچھے آدمی سے اس کا بیاہ ہونے جا رہا ہے۔"

شمشیر نے تولیہ دیا۔

"پھر ابا مجھے کیوں لگتا ہے تیری آنکھوں میں کوئی دکھ آہستہ آہستہ کالی رات کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔"

"اتنے عرصے کا ساتھ ہے۔ اکیلا رہ جاؤں گا بالکل... کیسے زندگی گزرے گی۔ کہیں پھر سے نشہ کرنے بیٹھ گیا تو شہناز کو کتنا رولا پڑے گا۔ کتنا من کلسے گا اس کا۔"

شمشیر نے کندھوں سے پکڑ کر چارپائی پر بٹھایا تھا پھر مدھم لہجہ میں بولا۔

"جب تک یہ ساتھ اللہ نے ایک دوجے کے ساتھ لکھا ہے' اس رب کائنات کی قسم ابا میں تمہیں تمہاری بیٹی سے کبھی جدا نہیں ہونے دوں گا۔ اکیلا ہوں' اگر گھر بار والا ہوتا تو بھی جیسے شہناز میری ذمہ داری ہے ویسے تم میری ذمہ داری ہو۔ ہم شادی کے بعد بھی ساتھ رہیں گے اور اگر نہ بھی رہتے تو میں یقین سے کہتا ہوں تم اپنی بیٹی سے اتنی محبت کرتے ہو کہ مر تو سکتے ہو پھر سے اس زہر کو اپنے اندر نہیں اتار سکتے۔ سچ کہتا ہوں میں نے ایسے لوگ بہت کم دیکھے ہیں جنہوں نے اتنا عرصہ نشہ کرنے کے بعد اتنی مستقل مزاجی سے اسے چھوڑ بھی دیا۔" راحت اللہ نے شمشیر کے کندھے پر دھپ لگائی تھی۔ "دونوں کیسے مجھ بوڑھے کے جذبات سے کھیلتے ہو' وہ کہتی ہے میں نے تجھ جیسا صبر کرنے والا باپ نہیں دیکھا' تجھ سے زیادہ محبت کرنے والا انسان نہیں دیکھا اور اب تو کہتا ہے مجھ جیسا برداشت والا انسان نہیں دیکھا۔"

شمشیر علی کا قہقہہ اتنا جاندار تھا کہ شہناز بھی اسٹک کے سہارے آنگن میں آگئی۔ شمشیر نے بھاگ کر اسے سہارا دیا۔

"مجھے آواز دے لی ہوتی' میں خود لے آتا تمہیں۔" شہناز نے ـــــ اسے دیکھا تھا۔

"بس کرو' کوئی میرا مرد دوسرے شہر میں ہے کہ میں آجاتا' لے جاتا' اتنی بھی عادتیں نہ بگاڑو میری کہ پھر خود ہی سر پر ہاتھ رکھ کر روؤں۔ بیوی ہے کہ میڈم۔"

ابا دونوں کو دیکھ کے اندر جا چکا تھا۔ سو وہ آسانی سے بے جھجک ہو کر بول پا رہی تھی۔ شمشیر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

"بیوی بنو میڈم بنو کچھ بھی بنو سب حالتوں میں قبول ہو۔"

"سوچ لو بہت بڑا دعوا کر رہے ہو۔" شہناز ہنسی تھی۔

اور شمشیر نے اس کے گرد بانہیں حمائل کر دی تھیں۔

"دعوا کبھی نہیں کرتا میں عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ شہنی میرے دل نے تم سے اسی دن نکاح کر لیا تھا جس دن تم نے اپنی عزت کے لیے اپنی جان کو داؤ پر لگا دیا تھا۔"

شہناز کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"کیوں کرتے ہو اتنی محبت مجھ سے دیکھ بھی رہے ہو کہ جالی ہو گئی ہوں۔ آپریشن کے باوجود عام لڑکی کی طرح تمہارے ساتھ تیز دوڑ سکوں گی' نہ ہی۔"

شمشیر نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے کہا۔

"میں نے تم سے شادی کرنی ہے اولمپک گیمز میں دوڑیں نہیں لگوانیں' گھرداری تم بہت اچھے سے کر سکتی ہو اور مجھے اتنے طویل عرصے سے تمہاری جیسی کھردار عورت کی ہی تلاش تھی۔"

"لڑکی..." اس نے گھورا' کندھے پر چٹکی بھی کاٹی اور شمشیر کا قہقہہ...

"توبہ ہے' میں تو تمہیں تھوڑی سی مختلف لڑکی سمجھا تھا' تم بھی عام عورتوں کی طرح ایج کانشس ہو' کمال ہے یار۔"

شہناز ہنسنے لگی پھر تینوں نے مل کر رات کا کھانا کھایا تھا اور شمشیر گیارہ بجے اٹھ گیا تھا اپنے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ جب افضل علی نے اسے پکارا وہ کچھ پریشان لگ رہے تھے۔

"جی سر... فرمایئے..." وہ مودبانہ کھڑا تھا۔ جب افضل علی نے اس سے سوال کیا اور یہ سوال بہت اچانک تھا۔

"اس پارٹی میں حقیقت میں کیا ہوا تھا شمشیر..."

شمشیر کے رگ و پے میں خون بہت تیزی سے بہنے لگا۔

"کچھ خاص نہیں' لیکن آج آپ یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں۔" وہ باتوں کو گھمانے کا بہت ماہر تھا۔

"پتا نہیں جب سے گڑی اس پارٹی سے آئی ہے تب سے بہت بدل گئی ہے۔ بڑے بڑے اسکارف لینے لگی ہے' اسلامک سینٹر جوائن کر لیا ہے۔ کل رات میں اٹھا تو اس کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ میں نے ناک کرنے کے لیے اس کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ تم یقین کر سکتے ہو وہ نفل پڑھ رہی تھی۔ اس کی لائبریری میں بکس کی رینج بدل گئی ہے۔ وہ پوری کی پوری بدل گئی ہے۔ اس کی ماما کہتی ہیں ہمیں کسی سائیکاٹرسٹ سے رجوع کرنا چاہیے۔ وہ نارمل نہیں ہے اس نے کوئی اسٹریس لے لیا ہے۔ کسی نے اسے جنت جہنم کا ڈراوا اور لالچ دے کر اپنی طرف کھینچ لیا ہے' انہیں لگتا ہے وہ کسی ٹیررسٹ گروپ سے لنک اپ تو نہیں ہو گئی ہے۔" شمشیر کی آنکھوں کی مسکراہٹ بہت پیاری تھی۔

"آپ کو کیا وہ ایب نارمل لگتی ہے۔" افضل علی نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے وہ اس روپ میں زیادہ نارمل لگنے لگی ہے۔ اسے پہلے میرا خیال نہیں ہوتا تھا۔ میں کہاں ہوں' کہاں نہیں' لیکن اب وہ میسج پر کال پر میرے دن رات کا خیال رکھنے لگی ہے۔ وہ میرا انتظار کرنے لگی ہے اس کی وجہ سے میں گھر جلدی آنے لگا ہوں۔ اس کا لہجہ نرم ہو گیا ہے۔ مگر اس کی ماما کو لگتا ہے..."

"آپ کو اپنی گڑی کے لیے مضبوط حصار بننا چاہیے۔ وہ جس بدلاؤ سے گزر رہی ہے۔ وہ اپنا احتساب کر کے اپنے عمل کی سمت کا تعین کر رہی ہے۔ آپ کی تنقید اور اس کو ایب نارمل ثابت کیے جانے پر اس راستے سے مڑ بھی سکتی ہے۔ ایسے کہ پھر آپ کوشش کے باوجود اسے اس طرف نہیں لا سکیں گے۔ اچھی اور نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے افضل صاحب۔"

"شمشیر کیا تم اسے صرف تھوڑا نارمل رہنا سکھا سکتے ہیں۔ دنیا اور دین دونوں ساتھ ساتھ لے کر چلنے کا ہی حکم ہے ہمارے دین میں۔"

ملتجی لہجے پر اس نے آہستگی سے سر ہلایا۔ وہ اب اس کے ساتھ اسلامک سینٹر جانے لگا تھا۔ اس پر چیک رکھتا تھا۔

وہ ایک گندھی ہوئی مٹی کی طرح تھی۔ ایک غلط ٹچ اسے ہمیشہ کے لیے غلط گھڑ سکتا تھا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی اور وہ کتابیں سلیکٹ کرنے میں اس کی مدد کر رہا تھا۔ اب اس میں شدت پسندی کے عناصر کم ہو گئے تھے۔ وہ دنیا اور دین کو ساتھ لے کر چل رہی تھی اس کی توجہ کی یکسوئی اس کی تعلیم میں بھی اس کی

مددگار ثابت ہو رہی تھی۔ زندگی آرام سے چل رہی تھی کہ اچانک بزنس کمیونٹی میں انتخابات کی بات چھڑ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

مسٹر افضل علی' بہت منجھے ہوئے بزنس مین تھے لیکن یہ سیاست۔۔۔

"کیا کروں؟" افضل علی نے بیوی کی بجائے گڈی سے مشورہ مانگا تھا اور اس نے نرمی سے کہا۔

"اگر آپ کو لگتا ہے آپ اس طرح کچھ بہتر کام کر سکتے ہیں تو اس معرکے میں ضرور اتریں لیکن اگر یہ صرف کٹھ پتلی ہے تو مجھے آپ اس روپ میں زیادہ اچھے لگتے ہیں بابا۔"

"مجھے لگتا ہے میں کچھ بہتر کر سکتا ہوں۔"

"تو جائیے منوا لیجیے خود کو۔"

"میں خود کو نہیں منوانا چاہتا۔ میں چھوٹے کاروباری افراد کے لیے بہتر مواقع لانا چاہتا ہوں۔"

"گڈ بابا۔" وہ دل سے مسکرائی۔ کمیونٹی کا اپنا انتخاب تھا۔ آسانی سے طے پا گیا تھا اور پہلی تقریب میں شمشیر سمیت گڈی کی آنکھیں بھی کھلی رہ گئی تھیں۔ جب اس کے بابا کے قریبی لوگوں میں شارق' اجمل اور اظفر کے والد کھڑے تھے۔

"گڈی صاحبہ! باس ٹریپ ہو گئے ہیں۔"

گڈی نے خوف سے دیکھا "اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

شمشیر خاموش کھڑا رہ گیا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر چند ماہ گزرے تھے اس کی شادی بھی طے تھی اور افضل علی بزنس کمیونٹی کی طرف سے عام انتخابات میں کھڑے ہو گئے تھے۔ گڈی نے جھگڑا کیا تھا۔

"آپ ان چکروں میں نہ پڑیں بابا بہت جواب دہی ہوتی ہے۔ کسی ایک کے حق میں بھی کوتاہی ہوتی تو سوال جواب الگ سزا الگ۔"

وہ ایک دم سے ست پڑ گئے تھے۔ لیکن یہ اثر زیادہ دیر تک نہیں رہا تھا۔ انہوں نے کاغذات نامزدگی جمع کروا دیے تھے۔ شمشیر ان کی ہر کنویسنگ میں شوفر اور باڈی گارڈ کی حیثیت سے شرکت کرتا تھا۔ ہاؤ ہو کی باتیں' جام و جم کے قصے' شمشیر خاموش' مگر فکرمند رہتا۔ اجمل کے باپ نے اس کی فکرمندی کو غور سے دیکھا اور تمسخر سے کہا۔

"تم تو ایسے ہراساں رہتے ہو جیسے تمہارے باس کسی جنگ و جدال میں شریک ہو رہے ہیں۔"

"جنگ و جدال سے کم نہیں ہے سیاست سر' ہر ہر لمحے خود سے لڑنا پڑتا ہے۔ خود کو صحیح و غلط میں سے نکال کر غیر جانبدار رکھنا آسان نہیں۔ بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ بھول چوک میرا سوہنا رب معاف کر دے تو بھی مصلحت' دوست داریاں' بندے کو اس مقام تک لے جاتے ہیں۔ لاکھ سر مارو منتیں ڈالوں' معافیاں مانگو بڑی مشکل ہوتی ہے۔ سربراہان کا حساب کتاب عام بندوں سے زیادہ کڑا سخت اور یک و تنہا ہو گا۔ ایویں نہیں میرے رب نے اسے مشکل کاموں میں مشکل ترین کام کہا ہے۔ عام بندے رہنے میں رحمت' معافی آسان ہے۔"

اجمل کے باپ نے برا سا منہ بنایا اور شارق نے پوچھا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے آج تک سیاست میں حصہ نہیں لیا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں شارق صاحب' مجھے فرقہ بندی ہرگز پسند نہیں نہ ہی سیاست میں نہ مذہب میں' میں انسانیت اور اخلاقیات کا حامی ہوں جو ہو جہاں ہو بلا فرقہ و نسل اس کی خدمت کرنے کا قائل ہوں۔"

"میں بھی یہی کرتا ہوں' لیکن میری اس خدائی خدمت گاری میں زیادہ تر لڑکیاں ہوتی ہیں' کیا تم بھی ایسا کرتے ہو۔" شمشیر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور شارق استہزا سے ہنستا ہوا اندر چلا گیا۔ پھر سب ہی کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ افضل علی بہت گھائل حالت میں گاڑی سے ملے۔ گڈی کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہ اسپتال میں تھے' ہوش میں تھے مگر انہوں نے چپ سادھ لی تھی۔

"یہ شمشیر کا سیل فون سوئچ آف کیوں آ رہا ہے؟ وہ بابا کے ساتھ تھا۔ گاڑی میں صرف بابا ملے' وہ کیوں نہیں۔" اب کی بار شہناز کی آنکھوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔

"انہوں نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ میں سمجھی وہ کہیں اور بزی ہوں گے۔ اسی لیے غصہ ہو رہی تھی۔ بڑے صاحب کے حادثے کی خبر شمشیر نے کیوں نہ دی بیگم صاحبہ' بتائیں تو مجھے تو پتا نہیں چلتا۔"

"وہ پتا نہیں کس پرابلم میں ہے۔ ہمیں پولیس میں رپورٹ کروانی چاہیے۔" گڈی نے قدم دروازے کی طرف بڑھائے تھے کہ یکدم افضل علی کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی۔

"رکو۔۔۔ مت جاؤ تھانے اپنی ہی جگ ہنسائی ہونی ہے وہاں۔" گڈی بجلی کی تیزی سے مڑی تھی۔

"ہوا کیا ہے بابا؟" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ شہناز نے دل گرفتگی سے دیوار سے ٹیک لگالی۔ پتا نہیں کون سا سچ تھا جس کا اب اظہار ہونے والا تھا۔

"اس نے پیسوں کے لیے یہ سب کیا۔ بزنس کمیونٹی کے پرسنل اکاؤنٹ سے میرے جعلی دستخط سے کروڑوں روپے نکلوائے اور غائب ہو گیا۔" گڈی کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا "یہ سچ نہیں ہے۔"

شہناز کے دل اور گڈی کی زبان نے ایک ساتھ کہا مگر دونوں کے اندر یقین سے کہیں زیادہ بے یقینی تھی۔

"نا صرف یہ بلکہ اظفر کی ہونے والی فیانسی کے ساتھ بھی نازیبا حرکت کی اس کی اتنی ساری غلط تصویریں اظفر نے مجھے دکھائیں تو میں شرمندگی سے گڑ گیا۔ اس نے گڈی کی طرف سے رانگ کال کرکے اسے بلایا اور یہ سب کیا۔ میں نے جب دونوں معاملات پر اس سے بازپرس کی تو وہ مجھ سے جھگڑنے لگا۔ کہتا تھا تم کیا سمجھتے تھے میں کوئی فرشتہ ہوں' مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے' مجھے اچھی زندگی نہیں جینی ہے کیا۔ میں نے کہا پیسے کے لیے یہ سب سمجھ آتا ہے۔ مگر اس معصوم بچی کا کیا قصور تھا۔ اس کی زندگی کیوں خراب کی۔" تو استہزا سے ہنس کر بولا۔

"دل آگیا تھا میرا' جانتا تھا میری پہنچ تک نہیں آسکتی' اس لیے اپنی پہنچ تک لانے کے لیے یہ سب کرنا پڑا۔ جب کوئی نہیں پوچھے گا تو میرا پرپوزل بہترین لگے گا اسے۔ میں نے شہناز کا کہا کہ اس سے نکاح کی بات کیوں کی' تو بے دیدہ ہو کر بولا۔ نیکی کمانے کے لیے وعدہ کر لیا تھا نکاح کا بے چاری کو ویسے کون پوچھ رہا تھا۔ میں نے کون سی اس کی زندگی برباد کر دی۔ میں نہ ہوتا تو بھی اس نے ایسے ہی سر پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا تھا اور اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھے بیٹھے بوڑھے ہو کر مر جانا تھا۔ ابھی اس کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کھٹی میٹھی یادیں تو ہیں۔"

شہناز دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتی چلی گئی اس کی گھٹی گھٹی چیخیں سن کر گڈی بھاگ کر اس تک آئی تھی۔

"جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے شہنی۔ اگر یہ سب اس بدمعاش کے ساتھ آدھی زندگی گزار کر تمہیں ملتا تو۔۔۔" شہناز روئے جا رہی تھی اور افضل علی کا دل کٹ رہا تھا۔

"مجھے تو وہ شروع سے بدمعاش لگتا تھا۔ عجیب سی آنکھیں تھیں۔ ایکسرے کرتی ہوئی۔ بس تم باپ' بیٹی ہی مرتے تھے۔" بیگم افضل علی صدمے کے ٹرانس سے نکلیں تو ان کا یہ پہلا مربوط جملہ تھا اور گڈی نے کہا۔

"اتنی بڑی رقم کی بھرپائی کہاں سے ہو گی بابا لوگ باتیں بنائیں گے۔ ہماری نسلوں سے قائم عزت۔۔۔"

افضل علی خاموشی سے رو رہے تھے اور کچھ بول نہیں رہے تھے۔ دوسری صبح ایک ہنگامہ لیے کھڑی تھی۔ سارا اسکینڈل اخبار میں آگیا تھا شمشیر دونوں خبروں میں ہائی لائٹ تھا ساری بزنس کمیونٹی افضل علی سے

ہمدردی جتا رہی تھی۔ انہیں مورل سپورٹ کررہی تھی۔ انہوں نے ایم این اے کی سیٹ سے دستبردار ہونے کی کوشش کی تھی۔ مگر سب نے انہیں اس فیصلے سے روک دیا تھا۔ گڈی کا دل پھٹا جارہا تھا۔ شمشیر نے شہناز اور صبا کی زندگی برباد کرکے رکھ دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اخبار سامنے پڑا تھا اور شارق 'عظمت امام' اجمل سراج 'سراج احمد' مظفر منہاس اور مسٹر منہاس زیدی صم "بکم" بیٹھے تھے۔

"یہ خبر اخبار تک کس نے پہنچائی۔"

"پتا نہیں میں کوشش کے باوجود سورس نہیں جان پایا ہوں جو بھی ہے بہت کائیاں ہے۔" منہاس زیدی کے ہونٹ ہلے۔

عظمت امام نے پھر منہاس زیدی کو دیکھا

"صبا صدور کا اب کیا بنے گا؟"

"ناٹ مائی ہیڈک۔" منہاس زیدی کا سرد جواب تھا۔ اجمل سراج کی مسکراہٹ پورے چہرے پر پھیل گئی۔

"کیوں بڈی 'وہ تو تمہاری فیانسی ہے۔ تم بھی کچھ نہیں کروگے اس کے لیے۔"

اظفر منہاس نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"میں پہلے ہی کہتا تھا یہ سب آسان نہیں ہے۔" سامنے ٹیبل پر تصویریں پڑی تھیں جس میں شمشیر اور گڈی بہت واضح تھے۔ ساتھ ہی اخبار۔ مگر اس میں کریکٹر بدل گیا تھا۔ اس میں شمشیر کے ساتھ صبا صدور مسکرا رہی تھی۔

"لوگ سوال پوچھیں گے' ہم کس کس کو ایکسپلین کرتے پھریں گے۔ ہمیں نہیں کرنی اپنے بیٹے کی شادی صبا صدور جیسی لڑکی سے جس کی رال ایک شوفر پر ٹپک گئی' ہاؤ ٹو مچ شوکڈ۔" ایک عورت اندر داخل ہوئی۔

"کول شاہینہ کول' ہم واقعی صبا صدور سے اظفر کی شادی نہیں کریں گے۔ آج دوپہر ڈرائیور کے ہاتھ منگنی کی دی گئی ہر چیز' ہر گفٹ واپس بھجوادیں گے۔" عورت جسے شاہینہ کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ کمرے سے باہر لوٹ گئی۔

"کہا بھی تھا خواتین کی کٹی پارٹی ست ہونے دینا۔ پھر بھی تم سب اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ نکل پڑے ہو۔" عظمت امام نے روکھائی سے کہا۔ "یہ عورتیں جب اپنی من مانی پر اتر آئیں تو کوئی روک سکتا ہے انہیں۔ ناشتا تک نہیں کرنے دیا ہے للی نے مجھے ٹیبل پر ہی اخبار دیکھا ہے اور اجمل کے ساتھ یہاں تمہارے گھر بھیج دیا۔" سراج احمد نے بھی تلخ لہجے میں جواب دیا۔

مگر بہرحال میٹنگ بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئی۔ سب کے منہ اترے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

صبح کا اخبار سامنے پڑا تھا اور صبا صدور کی آنکھیں رو' رو کر سرخ ہوگئی تھیں۔ اس کا پورا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"ایک ڈرائیور صبا' صرف ایک ڈرائیور۔" اخبار کی جھلک دیکھ کر سعیدہ خاتون نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا یا پتا نہیں بتایا اور صدور بخشی تھے۔ کیتلی پلیٹ 'کپ جو ہاتھ میں آیا فرش پر مارتے چلے گئے۔

"دیکھ لیا آزادی کا نتیجہ 'میں نہ کہتا تھا ہمارے رہن سہن میں اور اس کے دوستوں کے رہن سہن میں فرق ہے۔ میں نے پورے گاؤں والی سرکار سے لڑ جھگڑ کر اس کے لیے تعلیم کے دروازے کھولے کہ کل میری نسل کی لڑکیاں بھی شکریہ خانم 'ارفع کریم بن سکیں۔ مگر اس کی تعلیم یہ رنگ لائے گی میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ جی چاہتا ہے میں اس کا ہاتھ پکڑوں اور گاؤں میں اس کے دادا' تایا اور سارے چچاؤں کے سامنے اسے لے جاکر ڈال دوں اور ہاتھ جوڑ کے کہوں آپ سچ کہتے تھے۔ میں ہی بیٹی کی محبت میں پگلا گیا تھا۔

اب آپ کا جو فیصلہ' جان سے مارو زندہ دفن کرو کتوں کے آگے ڈال دو میں اف نہیں کروں گا۔"

"ایسے نہ بولیں صدور' ایسے نہ بولیں' میری بیٹی ایسی نہیں' ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ شیریں حامد کہہ رہی تھی' آج کل فیک تصویروں کا بہت زور ہے' ضرور یہ کسی اور کی تصویریں ہیں۔ میری بیٹی ایسی نہیں۔"

صدور بخشی نے ناامیدی سے بیوی کی طرف دیکھا اور چلائے۔ "صبا صدور بخشی میرے سامنے آکر بات کرو' کمرے میں منہ چھپا کر بیٹھ جانے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ تم ٹریپ ہوئی ہو تو بے فکر رہو' میں اینٹ سے اینٹ بجادوں گا فضل علی کی۔"

صبا صدور پورے کمرے میں دوپٹا ڈھونڈ رہی تھی مگر دوپٹا کہاں تھا۔

"تمہارے ابا بلا رہے ہیں تمہیں۔" سعیدہ خاتون نے رکھائی سے کہا اور وہ ہونق ہوکر ایک لمحے کو ٹھہری اور دوسرے لمحے ملیٹے میں گم بچی کی طرح رونے لگی۔

"اماں مجھے میرا دوپٹا نہیں مل رہا۔ ابا کے سامنے ننگے سر کیسے جاؤں۔" سعیدہ خاتون نے شوکڈ انداز میں بیٹی کو دیکھا۔ دوپٹا بیڈ پر سامنے پڑا تھا اور وہ کہہ رہی تھی اسے دوپٹا نہیں مل رہا۔ کیا وہ اس حادثے سے سائیکی ہوگئی ہے؟ وہ تیزی سے اندر آئیں۔ دوپٹا اٹھا کر خود اس کے سر پر رکھا اور وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے صدور بخشی کے سامنے کھڑی تھی۔

"اتنی دیر کیوں لگائی۔ کیا ابھی بھی کوئی حجت باقی تھی۔" صدور بخشی کا لہجہ بلند تھا۔

"ابا وہ میرا دوپٹا نہیں مل رہا تھا۔ ننگے سر آپ کے سامنے کیسے آتی۔"

"تمہیں لگتا ہے تم اس دوپٹے سے اپنے ننگے سر کو چھپالوگی۔" وہ گاؤں کے کھرے لہجے میں کھری بات بول کر چپ اسے دیکھنے لگے۔

"پتا نہیں ابا میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا' پتا نہیں۔" وہ واقعی سائیکی لگ رہی تھی۔ سعیدہ خاتون نے صدور بخشی کا بازو پکڑ کر بیٹی کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے نئی نظر سے دیکھا جیسے مجرم کو ملزم بنا کر آزاد کرنے کی ٹھان لی ہے۔

"یہ تصویریں ٹھیک ہیں کیا۔" صبا صدور کا جھکا سر اوپر اٹھا۔

"بولو یہ فیک تصویریں ہیں۔"

"نہیں ابا۔" وہ مختصر جملہ کہہ کر مسند رول رونے بیٹھ گئی۔ وہیں قالین پر اس کے قدموں نے اس کے وجود کا بوجھ نہیں برداشت کیا تھا۔ وہ جس طرح گھٹنوں میں سر ڈال کر بے چارگی سے رونے بیٹھ گئی تھی۔ صدور بخشی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ یہ ان کی بیٹی کبھی کسی مشکل سے نہیں گھبرائی' ہمیشہ ہر سال اس نے اپنا امتحان اچھے نمبرز سے پاس کیا۔ یہ دوڑ میں بین الاقوامی طور پر اپنا ملک کا نام رجسٹر کرواچکی ہے۔ اسے اس کے سینئرز سیمینارز میں خصوصی دعوت پر بلاتے تھے مگر اس وقت یہ لڑکی کتنی مجبور 'لاچار سی ہوئی تھی۔ جیسے ساری دنیا نے اس کی پشت پر سے ہاتھ اٹھالیا تھا۔ لیکن کیا وہ بھی ساری دنیا جیسے بن سکتے تھے۔

اس کی ہلکی سی تکلیف پر وہ ساری رات جاگ کر گزارتے تھے تو اس وقت ان کا دل اتنا سخت کیوں ہوگیا۔ وہ وہیں بیٹھ گئے تھے۔ اس کے پاس آلتی پالتی مار کے "تیرے بابا ہیں نا' مت گھبرا' پتا نہیں میرا دل کیوں کہتا ہے' تیری اتنی بڑی غلطی نہیں' جتنی ساری دنیا مل کر تجھے سزا دے رہی ہے۔"

اس نے چہرہ اونچا کیا' خالی بے جان آنکھیں۔

"نہیں ابا میری غلطی تھوڑی نہیں' قتل ایک آدمی کرے یا دس مل کر' سزا تو سب کو ایک ملنی چاہیے نا۔" صدور بخشی نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"سب مجرم' مگر سب سے بڑا مجرم منصوبہ بندی کرنے والا ہوتا ہے۔ کیا تم منصوبہ ساز تھیں۔" وہ فوراً بات کی تہ تک جاپہنچے تھے۔ "نہیں تو' اب ابا میں تو مس گائیڈ ہوئی' مجھے تو محبت نے ٹریپ کیا۔ مگر میں برملا کہتی ہوں میں بے قصور نہیں۔"

سعیدہ خاتون اس کے آنسو صاف کرنے لگی تھیں۔ تب ہی ملازم تین افراد کے ہمراہ بہت سارا

سامان لے کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ "سر یہ مسٹر اظفر منہاس کے گھر سے آیا ہے۔ شوفر کے ہاتھ بھجوایا ہے۔"

صبا صدور کی آنکھیں جل تھل ہو گئی تھیں۔

"بدنامی کو کون گلے سے لگاتا ہے۔ اپنے گھر بلاتا ہے۔ مگر میری بچی میرا گھر ہمیشہ تمہاری پناہ گاہ ہے۔ ساری دنیا بھی تجھے چھوڑ دے تو بھی سعیدہ اور میں تیری پشت پر کھڑے رہیں گے۔"

"دیکھو گاؤں والوں کا رد عمل صدور۔" سعیدہ خاتون بھی رو رہی تھیں۔

"صدور بخش کم حوصلہ آدمی نہیں' میری بیٹی سے غلطی ہو سکتی ہے گناہ نہیں' اتنا یقین ہے مجھے اپنے خون پر اور اپنی بیٹی کے حق یا خلاف فیصلہ دینے کا اختیار صرف مجھے ہے۔ رہی میری ریپوٹیشن تو میں ایسی مصنوعی عزت کو لات مارتا ہوں۔ جو جھوٹے لفظوں' جھوٹے اور نیک رشتوں سے بندھی ہوئی ہے۔ سچا بندھن پکا رشتہ اللہ کا ہے۔ اللہ کے بعد ماں' باپ کا' جو اولاد کی ہر غلطی کو نتھار کر پاک کر کے پہلی ہی سی محبت سے گلے لگا لیتے ہیں' میں اللہ کے فیصلے کا منتظر ہوں۔"

"نہیں ابا فیصلہ مت مانگیں' میرے حق میں رحم مانگیں ابا رحم۔" وہ رونے لگی تھی' پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

تب ہی اس کا موبائل بجا تھا۔ اس نے نمبر دیکھ کر چیل کی طرح فون اٹھایا تھا۔

"کیوں' کیا تم نے میرے ساتھ ایسا۔" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔ دوسری طرف بہت نرمی سے کہا گیا۔

"میں نے جو کیا اپنی وفاداری اپنے فرض کے تحت کیا۔ رہا آپ کی بدنامی تو اظفر منہاس سے چھٹکارا مل جانا ہی آپ کی عزت کی بحالی کی پہلی سیڑھی ہے مس صدور۔"

"میری عزت کی بحالی اور وہ بھی تم کرو گے' تم سمجھتے کیا ہو خود کو' جاہل گنوار' پاگل آدمی۔۔۔ میں نے جب بھی تمہیں کہیں دیکھا' تمہیں قتل ضرور کروں گی۔"

"مرد شخص کو قتل کرنا بے حرمتی ہے اور آپ مستقبل کی ڈاکٹر ہیں۔ آپ سے مجھے یہ توقع نہیں' مگر ایک بات سن لیں فیضان برا آدمی نہیں' آپ کو پتھر جمع کرنے کا اتنا شوق ہے کہ ہیرے کب کہاں پھسل کر آپ کی زندگی سے نکل گئے' آپ کو پتا بھی نہیں چلا۔"

"فیضان۔۔۔ فیضان کون؟"

"فیضان مرتضیٰ۔۔۔ آج کل پاکستان آیا ہوا ہے۔ اس نے بھی یہ خبر پڑھی تو تصویریں دیکھیں اور برملا کہا۔ صبا صدور ایسی نہیں ضرور کسی نے اسے ٹریپ کیا ہے۔ پلیز آپ اس کا یہ یقین کبھی مت توڑیے گا۔"

لائن بے جان تھی اور صبا صدور سوچ رہی تھی یہ فیضان مرتضیٰ کون ہے۔

"تم مجھے کسی فیری ٹیل کی پری لگتی ہو' اتنا تقدس ہے تمہارے چہرے پر کہ نگاہ اٹھا کے تمہیں دیکھنا گناہ لگتا ہے۔" یکدم ایک جملہ ری کال ہوا تھا۔ "فیضان مرتضیٰ۔۔۔" اس کے لب کانپے اور وہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "لوگ کہتے ہیں پردوں میں چھپاؤ' یہ کرو' وہ کرو' مگر میں کہتا ہوں آپ کے چہرے میں خود اتنا تقدس ہونا چاہیے کہ کوئی نگاہ غلطی سے تو اٹھ جائے مگر اتنی ہمت نہ ہو کہ دوسری بار آپ کا طواف نہ کرے۔"

"مرد کی مینٹیلٹی ایسی نہیں وہ ہر پردے کے پیچھے بھی جھانکنا چاہتا ہے۔ ہر دریچے سے تنگی آنکھ کے چار طرف چکر بھی کاٹنا چاہتا ہے تم کن چکروں میں پڑے ہو ———— کس زمانے کے آدمی تم ہو۔"

"اسی زمانے کا آدمی ہوں مادام بس آپ ہماری گہرائی میں کبھی اتریں نہیں۔"

"میرا فوکس صرف تعلیم ہے۔" اس نے برملا کہا۔ پھر پتا نہیں کب' کیسے اظفر منہاس نے اس کا فوکس چینج کر دیا تھا۔

"جب تم ڈاکٹریٹ پوری کر لو گی' میں اب تب ہی تم سے ملنے آؤں گا۔" ایک اور یقین کمرے میں دبے قدموں پھرنے لگا تھا۔ اس وقت اس کا خیال تھا۔ وہ گذ

لک دے کر اس سے فلرٹ کر رہا ہے کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔

"میں اسپیشلائزیشن کے لیے تمہیں بیاہ کر انگلینڈ لے جاؤں گا۔"

ایک اور وعدہ آنکھ مل کر جاگ اٹھا۔

"لڑکیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے مرد ایسا ہی ٹریپ کا پتا چلتے ہیں۔ شادی کا وعدہ کرنے والوں پر لڑکیاں برملا آمنا صدقنا کر لیتی ہیں۔" مگر فیضان مرتضیٰ اپنی بات کا پکا تھا۔

"میں مسلمان ہوں' اپنے وعدے یاد رکھتا ہوں۔ وعدے پورے کرتا ہوں۔ اس لیے وعدے کم کرتا ہوں۔ میرے نبیؐ کا فرمان ہے جو جھوٹا ہے' وعدہ خلاف ہے وہ ہم میں سے نہیں اور میں ذرا سے مزے کے لیے ان کے امتی ہونے کا گولڈن ٹکٹ کبھی مس نہیں کر سکتا۔"

"فیضان مرتضیٰ۔" وہ کارپٹ پر بیٹھ کر رو رہی تھی اور قسمت مسکرا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آج بھی وہ ہی تقدس اور معصومیت تھی جس کا اصل قدردان کھو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں کہتا تھا کسی پر اتنا اندھا یقین نہ کریں' مگر آپ لوگ نے" شارق غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ سیمرا روئے جا رہی تھی۔

"وہ کہتا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت۔ وہ کہتا تھا وہ مجھ سے 8 سال سے محبت کرتا ہے۔ جب وہ مجھے کالج چھوڑنے جایا کرتا تھا۔ میں نے اس کی بات پر یقین کیا۔ پھر آج صبح جب آپ سب گھر میں نہیں تھے۔ وہ جوس لے کر آیا۔ میں نے پی لیا۔ ڈیڈ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" وہ دونوں باہر آ گئے تھے۔

"کیا کرو گے اس بدنامی کا۔" نور نے شوہر کی طرف دیکھا۔

"اپنی اولاد ہے' مار بھی نہیں سکتا مگر اسے یہاں رکھا تو ساری کمیونٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ سیمرا جھوٹ بول رہی ہے۔ تم نے ڈاکٹرنی کے کمنٹ سنے تھے نا۔ تم خود بھی سمجھ دار ہو' جان سکتی ہو اس غلطی کی حد۔۔۔ سب کچھ ایک دن میں نہیں ہوتا' پتا نہیں وہ کب سے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا۔ ہمارے ہی گھر میں ہماری ہی عزت سے کھیل رہا تھا اور تمہاری بیٹی سمجھتی رہی وہ زندگی میں محبت کا روزن کھول کر ٹھنڈی سانس لے رہی ہے۔ کاش یہ مر جاتی' اس حادثے میں پتا نہیں کیوں زندہ رہ گئی ہے۔"

"ایسا نہ کہیں' وہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔" نور رونے لگی تھیں۔

"تم کل ہی اپنے بھانجے کے پاس انگلینڈ لے کر جاؤ۔ کچھ ہو سکتا ہے تو کرو ورنہ وہیں کسی چائلڈ ہوم میں اس ذلت کو جمع کروا کے آجانا۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ میں اتنا نیک ہوں' پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں' اتنا لیتا دیتا ہوں پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟" شارق دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور ارد گرد شور مچا ہوا تھا۔

"زندگی میں کمزور عمل کر کے انسان اس عمل پر اکڑتا کیوں ہے؟ کیوں بھول جاتا ہے کنکر کے جواب میں تقدیر پتھر اور پتھر کے جواب میں اینٹ کیوں نہیں مارے گی۔ تیرا باپ نیک نہیں ہے۔ نیک بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے اوپر غرور کرتا ہے۔ تب ہی اس کے ہاں تجھ جیسی اولاد پیدا ہوئی۔ تو کیا سمجھتا ہے جو وقت گزر گیا۔ تیرے آج پر گواہ نہیں بنے گا۔ بھول ہے تیری' وہ گواہ بھی ہے' منصف بھی اس کا انصاف آسانی سے جان نہیں چھوڑتا۔ یہ چند ہزار کے لیے تو مجھے ذلیل کرتا ہے۔ یہ میری بھی سزا ہے۔ میں جو اس رب سے نہیں مانگتی میں جو اپنے زور بازو پر یقین نہیں کرتی اور تیرے جیسے امیرزادوں کے سامنے سر جھکا لیتی ہوں۔ ہم سب جہنمی ہی ہیں۔ تو میری بیٹی اور تیرا باپ مال حرام ہو تو حلال اولاد بھی حرام بن جاتی ہے۔ جیسے

تیرے باپ کی بنی جیسے میری اولاد بنی مگر یاد رکھ دھوکہ اور گناہ لوٹ کر ضرور آتے ہیں۔" وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔

"صبا صدور کا کیا ہوگا۔" کتنی تضحیک تھی اس کے لہجے میں صبا صدور کے لیے مگر اب سمیرا کی وجہ سے وہ کتنی پستی میں جا گرا تھا۔ اسے کئی چہرے امید بھری آنکھیں لٹے پٹے وجود یاد آئے تھے۔ کاش اس کی مٹی نہ گوندھی جاتی' وہ مٹی میں ملا ہوا مٹی کا ذرہ رہتا۔ وہ چہرہ چھپا کر رو رہا تھا۔

شہناز کا چہرہ اس کی آنکھوں میں کوند گیا تھا۔ شہناز واحد لڑکی تھی جو اس کی دسترس سے سلامت نکلی تھی اور اس نے اس غم میں جی بھر کے ڈرنک کی تھی۔ ایک ہفتے تک حسن کی رنگینیوں میں گم رہا گھر نہیں آیا۔

اب وہ گھر میں بیٹھا تھا۔ مگر لگتا تھا سڑک پر بیٹھا ہے اور اس کے تن کے سارے کپڑے کوئی چھین کر لے گیا تھا اتنی ذلت اتنی ملامت۔

"مت رو سب ٹھیک ہوجائے گا تیری ماں کل جارہی ہے انگلینڈ' کسی کو کچھ نہیں پتا چلے گا۔" عظمت امام نے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھا اور فون ملانے لگے پھر ان کا چنگھاڑتا لہجہ "ڈھونڈ اس مردود کو اگر انڈر ورلڈ کی مدد کی ضرورت ہے تو بھی لے بس اسے زندہ میرے سامنے لا کر ڈال ورنہ اپنی شکل مت دکھانا۔ میں اس کے ٹکڑے اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتا ہوں۔ میں اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا ہوں۔ محبت کرے گا میری بیٹی سے محبت کرے گا۔"

وہ چیختے ہوئے باہر چلے گئے تھے اور شارق امام نے ماں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"منع کریں ڈیڈ کو' کچھ نہیں ہوگا سب ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ جب سزا گناہوں کی ہو نا تو ہاتھ کرنے والے کو اللہ خود راستہ دیتا ہے' بچاتا ہے۔ وہ نہیں ملے گا مام' ہوسکتا ہے کبھی کسی اور جرم میں پکڑا جائے مگر سمیرا کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔ کیونکہ مجھے سود سمیت سزا سنائی گئی ہے۔ بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے سزا کاٹی جائے۔ جتنا واویلا اور شور کیا اتنی جگ ہنسائی ہونی ہے اپنی۔" ماں' بیٹے کی باتوں کو حیرت اور صدمے سے سن رہی تھیں۔ شارق کے دماغ پر اثر ہوگیا صدمہ بھی تو بہت بڑا ہے۔ معصوم اور لاچار بہن کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ۔ وہ شوہر کے سامنے رو پڑیں۔

"شارق سے کہو دبئی چلا جائے' شکر کرو تمہاری بیٹی نیشنلٹی ہولڈر ہے۔ ورنہ اس کا ویزا ملنا اور اتنی جلدی جانا آسان نہ ہوتا۔ 5 دن ہیں تمہارے پاس پیکنگ کرلو میں فارملیٹیز پوری کروا لیتا ہوں۔ اپنے بھانجے کے ساتھ رہنا چاہو تو وہاں رہ سکتی ہو' نہیں تو کوئی گھر رینٹ پر لے لینا۔ مگر یاد رکھو جب واپس آؤ تو یہ بدنامی ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

شہناز کی دنیا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر ہوگئی تھی۔ وہ ہر کام کسی روبوٹ کی طرح کررہی تھی۔ گھنٹوں سوچوں میں گم "اس کا لہجہ ایسا تو نہیں تھا فریب دینے والا بندہ تو آنکھ کی پتلی پہ ناچتے فریب سے پہچانا جاتا ہے۔ مگر اس کے لفظ جھوٹے تھے' اس کا لہجہ پھر میرا ہاتھ خالی کیوں رہ گیا۔" وہ اکیلی ہوتی تو اپنا خالی ہاتھ پھیلا کر بیٹھی رہتی ابا سامنے ہوتا تو خود کو کمپوز کرلیتی مگر آج ابا نے بالکل اچانک چھاپہ مارا تھا۔ وہ دوپٹا منہ پر ڈالے رو رہی تھی۔ اتنی مدھم آواز میں کہ کمرے کی تنہائی بھی ابا کے پیروں سے یک دم جاگ کر شہناز کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"لے تو رو کیوں رہی ہے۔" تنہائی نے چپکے سے ابا کے پاس آکر سوال کیا۔ ابا نے سنا نہ شہناز نے' مگر ابا وہیں بی کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیوں روتی ہے اتنا؟ تیرے اندر کون سا سمندر رکھ گیا ہے وہ کہ اس کی یادوں کے پیروں کو دھو دھلا کر اپنے آنسوؤں سے اس کا وضو کروا کروا کر بھی تیری نماز نیت سب قضا ہوئی جارہی ہیں۔"

"پتا نہیں ابا میرے اندر کوئی بیٹھ گیا ہے' کبھی وہ سوگ مناتا ہے کبھی میں رونے لگتی — ہیں کبھی کبھی تو مجھے پتا بھی نہیں چلتا کہ میں رونے لگتی — ہوں' گڈی بی بی بھاگی آتی ہیں' شہنی نہ رو میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔ میں انہیں دیکھتی رہ جاتی ہوں اور میرے اندر کوئی کہتا ہے۔

"اور رو شہنی اور رو۔ گڈی بی بی بہت اچھی ہیں۔"

اس نے توقف لیا پھر مردہ لہجے میں زندگی بھرنے کو بولی۔

"اچھا تو شمشیر بھی تھا ابا پتا نہیں کیا ہوا ہے اس کے ساتھ کیا مجبوری پڑی ہے اس پر۔"

"تو بھول کیوں نہیں جاتی اس کملے کو۔"

اس نے ابا کے چہرے پر نگاہ ٹکا کر پوچھا۔

"تو بھولا اماں کو۔" ابا نظر چرانے لگا اور وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"اماں کی ساری تلخی ساری نفرت ساری بے وفائی کے باوجود تو آج تک پورا کا پورا اس کا ہے ابا پھر میں بھی تو تیری بیٹی ہوں' محبت میں پاگل' میرے پاس تو میرے شمشیر کی محبت بھری باتیں ہیں یادیں ہیں' سب کچھ ہے ابا۔"

"یادوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی وہ ماہ سے خود کو گھن لگا رکھا ہے۔ گڈی بی بی کہہ رہی تھیں وہ تیرا بیاہ اسی دن کرنا چاہتی ہیں' جس دن طے ہوا تھا۔"

شہناز نے کرنٹ لگنے کے سے انداز میں ابا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا پھر بے چارگی سے بولی۔

"مت کر ابا' تجھے حق ہے جیسا چاہے فیصلہ کر جس کے ساتھ بھیج مگر میرے دل کی بھی تو سن لے۔ تو میرا باپ ہی نہیں میری ماں بھی ہے۔ رحم کھا مجھ پر' میرا بیاہ ہوگیا اس کے ساتھ۔" ابا یکدم کھڑا ہوگیا پشت موڑ کر باہر نکل آیا پھر صحن میں آکر بیٹھ کر یوں رویا جیسے شہناز کا دل نہیں اجڑا شہناز آج کے آج ابھی کے ابھی مر گئی ہو۔

شہناز کے کانوں میں ابا کی آواز کاری زخم کی طرح لگ رہی تھی مگر وہ پھر سے لیٹ گئی تھی اس نے چھت کو دیکھا تھا پھر بڑبڑاتی تھی۔

"میرا دل تجھے دکھ دینے کو نہیں کرتا پر ابا یہ سوچ میرے دل نے شمشیر سے نکاح کرلیا ہے' میری محبت اس کے خیال کے ساتھ بیاہی گئی ہے اتنی سادگی سے اتنے آنسوؤں کے ساتھ کوئی اور ہوا ہوگا رخصت نہ دل کو خبر ہوئی نہ دنیا کو' نہ ہی اس ظالم شمشیر کو۔"

دوپٹہ اس کے چہرے پر پھر آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گڈی سامنے بیٹھی تھی' افضل علی اس کے سامنے ڈاکومینٹس رکھ رہے تھے' وہ دستخط کرتی جارہی تھی کام مکمل ہوگیا وکیل فائل لے گیا تو افضل علی نے گڈی کو گلے سے لگالیا تھا۔

"آپ بہت سمجھدار بیٹی ہو' میں اس وقت واقعی بہت آکورڈ فیل کررہا ہوں۔"

"تو تو پاپا' ایسا کچھ بھی نہیں جیسے آپ کا سب کچھ میرا ہے ویسے میرا سب کچھ آپ کا۔"

"گڈی اگر یہ پراپرٹی آپ مجھے ٹرانسفر نہ کرتیں تو میں وہ رقم کسی طور جمع نہ کراسکتا جو شمشیر نے ہڑپ کی بزنس کمیونٹی میرے اس اقدام سے بہت خوش ہے۔"

"مجھے بس اس بات کی خوشی ہے کہ پردادا اور دادا جان کی بنی ہوئی عزت پر کوئی حرف نہ آیا۔"

"بہت بڑی قیمت دینی پڑی ہے مجھے اس کی۔" وہ بڑبڑائے تھے۔

ثانیہ افضل خوشی سے ان کے پاس آکر بیٹھ گئیں

"آپ کے اس اقدام سے سیاست میں آپ ایک دم سے بوسٹ کرگئے ہیں' لوگ آپ کی ایمانداری اور کردار کو ضرب المثل کے طور پر پیش کررہے ہیں میرا دل کہتا ہے آپ الیکشن جیت جائیں گے۔"

"مگر میرے لیے میری عزت واپس لے لینا زیادہ اہم ہے ورنہ شاید میں خودکشی کرلیتا۔"

"اللہ نہ کرے پریشانیوں کے آگے کوئی یوں ہار مانتا ہے۔" ثانیہ افضل نے لاڈ سے کندھے سے سر ٹکایا اور شہناز کام کرتے کرتے شمشیر علی کو سوچنے لگی۔

"اللہ سائیں حفاظت کرنا اس کی' اسے نہیں پتا وہ جس سے اپنی مرضی سے ناتا توڑ گیا ہے وہ آج بھی

"اسے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہے' اپنے لیے کچھ مانگے نہ مانگے' اس کے لیے سردی کی دھوپ' بہار کے دن' گرمی کی شامیں مانگا کرتی ہے۔"

وہ کچن میں تھی جب افضل علی کچن میں چلے آئے۔

"تمہارا کبھی پھر شمشیر سے رابطہ ہوا؟"

وہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔ "آپ اسے جیل میں بند کروائیں گے صاحب۔"

"تمہیں کس نے کہا یہ؟" وہ حیران ہوئے تھے۔

"کل بیگم صاحبہ شاہینہ صاحبہ سے کہہ رہی تھیں کہ اب افضل صاحب خیر سے الیکشن جیت جائیں گے تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ایم این اے کی پاور بہت ہوتی ہے شمشیر پاتال میں بھی چھپا ہو گا تو بھی افضل صاحب اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ پھر صبا بی بی کی بے عزتی کے بدلے میں پہلے اسے جیل بھیجیں گے پھر پھانسی چڑھا دیں گے۔" افضل علی نے پیشانی پر ہاتھ مارا تھا۔

"اف یہ عورتوں کی عقل' ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے"۔ لمحے بھر کو رکے پھر نرمی سے بولے "تم ان باتوں میں مت آؤ شہنی بیٹا ایسا کچھ نہیں کرنے والا میں لیکن اگر شمشیر تم سے رابطہ کرے تو پلیز مجھے ضرور بتانا۔ ایک چیز اس کی امانت ہے میرے پاس اور میں کمزور انسان کب تک اس کی امانت کی حفاظت کروں گا۔"

"کیسی امانت صاحب شمشیر نے تو کبھی مجھے نہیں بتایا۔"

"یہ ہم مردوں کی آپس کی بات' تم بس جب رابطہ کرے وہ مجھے ضرور بتانا میں خود اس کا پتا لگا لوں گا۔"

"جی صاحب۔" وہ کچن سے باہر نکلے اپنے کمرے میں گئے تو ثانیہ کو تیار ہوتے دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

"کہیں جا رہی ہو کیا؟"

"کیا مطلب رات کو تو بتایا تھا آج شام میں ہم دونوں نے منہاس اور شاہینہ کے ہاں ڈنر پر جانا ہے۔"

"مگر مجھے ایسا کچھ یاد نہیں۔ آپ نے مجھے یہ بات ابھی اور اسی وقت بتائی ہے' ہے نا" ثانیہ اٹھ کر قریب آگئیں پھر لگاوٹ سے شانہ چھو کر بولیں۔

"مجھے خود چار بجے شاہینہ کا فون آیا تھا۔ میں تو منع کر رہی تھی مگر اس نے کچھ اتنی اپنائیت سے دعوت دی کہ میں انکار نہ کر سکی۔"

"آپ کو معلوم ہے وہ جلدی جلدی آپ کو اس طرح دعوتیں کیوں دے رہی ہیں؟"

"پتا ہے مگر اتنا تو چلتا ہے پروٹوکول کا نشہ بھی الگ ہی ہوتا ہے۔" افضل صاحب نے سر جھکا لیا تھا پھر ثانیہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے تھے۔

"ایک بات کہوں مانیں گی آپ۔"

ثانیہ نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "کب آپ کی نہیں مانی جو آج اجازت لینے کا خیال آیا۔" محبت بھرا شکوہ' افضل علی نے انہیں خود سے اور قریب کر لیا تھا پھر مزید نرمی سے بولے "بے قصور ہے شہناز اسے ڈراوے نہ دیا کریں اسے خوف زدہ مت کیا کریں آپ جانتی ہیں وہ شمشیر سے کتنی محبت کرتی ہے۔"

"شہناز نے آپ سے میری شکایت لگائی" یکدم غصے کا اظہار لہجہ میں اور لفظوں میں ظاہر ہونے لگا تھا۔

انہوں نے نفی میں سر ہلایا "نہیں وہ بے چاری اس حالت میں کب ہے کہ شکایت لگائے یا گلہ کرے زندگی کا بس ڈر کر پوچھ رہی تھی کہ میں ایم این اے بن کر اس کے شمشیر کو کہیں جیل میں یا پھانسی پر تو نہیں چڑھا دوں گا۔"

"دھیان رکھوں گی۔" نرمی سے ان کے کندھے کو چھو کر کہا۔

اور افضل علی ڈنر کے لیے تیار ہونے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

صبا صدور سامنے بیٹھی تھی کسی سائیکو کیس کی طرح اور فیضان مصطفیٰ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ "کسی کو پسند کرنا بری بات نہیں اور جب وہ تمہارا منگیتر تھا تو صنف نازک کا بار جن تمہیں دیا جانا چاہیے لڑکی بہت جلد خوابوں کا ریشم سلجھانے لگتی ہے' خواب بننے لگتی ہے مگر میں تم سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کرنے آیا کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی اور تمہاری زندگی میں داخل کیوں ہوا۔ شاید میں نے ہی اپنی بات بہت غیر سنجیدگی سے کی تھی۔"

"میں آپ کے قابل نہیں ہوں فیضان ترس اور رحم کی زندگی سے بہتر میں سمجھوں گی کہ زندگی کی شاہ راہ پر اکیلی چلتی چلی جاؤں' عزت نفس مجھے میرے بابا سے وراثت میں ملی ہے' میں بھٹک گئی تھی مگر ساری دنیا کے سامنے میرے بابا نے جب کہا' کوئی کچھ بھی کہے صبا صدور آج بھی میرا غرور ہے تو میں نے اسی لمحے سوچ لیا تھا مجھے اب صرف اپنے بابا کا غرور بن کر جینا ہے سطحی محبت میری منزل نہیں۔"

"کیا میری محبت سطحی لگتی ہے آپ کو صبا؟"

اس نے آنسو بھری آنکھوں سے فیضان مصطفیٰ کو دیکھا "نہیں فیض آپ بہت بلند اخلاق بلند کردار انسان ہیں' آپ ویسے ہیں جیسا میں نے ہمیشہ اپنے جیون ساتھی کا تصور کیا ہے' آپ کے ساتھ کوئی بھی لڑکی سچ کے خوش رہے گی مگر میرے دامن پر بدنامی کے وہ چھینٹے ہیں کہ میں چاہوں بھی تو آپ کو پانے کا خواب نہیں دیکھنا چاہوں گی۔"

"اتنی فضول باتیں آپ کیسے سوچ لیتی ہیں' ادھر دیکھیے آپ کوئی فیصلہ نہیں ۔۔۔ میرے لیے محبت کا انسپریشن ہیں آپ کی وجہ سے میں دیار غیر میں بھی ان راہوں سے بچا ہوں جن راہوں پر نفس بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑاتا ہے' اوپر میرا اللہ تھا اور نیچے آپ کے ساتھ کا حسین خواب دونوں رشتوں نے مجھے با صفا رکھا آپ سے غلطی ہوئی گناہ نہیں اگر خدانخواستہ گناہ بھی ہوتا تو میری محبت آپ کو مصفا و پاک کر کے قبول کر لیتی میں بس یہ دیکھتا آپ کی نظروں میں میرے لیے کتنا اپنا پن سچ اور خلوص ہے۔ ہم تو خلوص کے بندے ہیں اپنے قول کو نبھا دیتے ہیں۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مگر یہ میری سوچ ہے' آپ پر کوئی پریشر نہیں ہے اگر آپ کو میں قبول نہیں ہوں تو میں جبر نہیں کروں گا لیکن میرے دل کی خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ دور تک چلوں دیر تک چلوں۔"

"میری بدنامی! آپ کی فیملی مجھے قبول کر سکتی ہے نہیں۔ کوئی نہیں چاہتا اس کی بہو جہیز میں بدنامی سمیٹ کے لے کر آئے۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے میں خود سے اتنا اچھا تعمیر ہو سکتا تھا اگر میری بنیاد ڈالنے والے ہاتھ اور ذہن نا پختہ ہوتے۔ میرے بابا میری ماما' انہوں نے کانٹوں سے تاج بنانا سیکھا ہے تبھی مجھے یہ ہنر کسی حد تک منتقل ہوا ہے۔

مجھے آپ کے ساتھ کا ہر پہلو عزیز تر ہے صبا صدور ......"

صبا صدور رونے لگی بے آواز خاموش اور دوسری طرف صدور بخش تھے انہوں نے انوسٹی گیشن شروع کروا دی تھی باقاعدہ طور پر تصویروں کا جائزہ لیا جا رہا تھا 5 دن بعد تصویروں کے ساتھ گورنمنٹ کے ٹیک کے ساتھ رپورٹ آئی تصویریں فیک تھیں صبا صدور تھی نہ شمشیر۔ دونوں کے جسموں پر صرف ان کے چہرے چپکائے گئے تھے۔ صدور بخشی نے نوٹ پڑھا اور فوراً" اپنے وکیل کو بلوانے اور مسٹر افضل علی کے خلاف ہتک عزت کا دعوا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

فیضان مصطفیٰ نے انہیں روک لیا تھا "آپ معلوم تو کروائیں پرنٹ میڈیا کو یہ تصویریں جاری کہاں سے ہوئی ہیں؟" صدور بخشی کسی چابی سے چلنے والے کھلونے کی طرح رک گئے۔ ہائی لیول پر رابطے ہوئے تو پتا چلا یہ تصویریں شارق امام' عظمت امام کی طرف سے یوٹیوب پر ڈاؤن لوڈ کی گئیں ان کے اپنے گھر کے کمپیوٹر سے کیس درج ہو گیا تھا۔ شارق امام سر جھکائے کھڑا تھا اور عظمت امام پاگلوں کی طرح چیخ رہے تھے۔ پہلے خبر سن کر وہ سکتے میں آ گئے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کوئی گیم ان پر بھی الٹ سکتا ہے مگر ایسا ہو گیا تھا۔ انہوں نے سارا الزام مفرور شوفر پر ڈال دیا تھا۔ اب شوفر کو انڈر ورلڈ اور پولیس مل کر ڈھونڈ رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا یہ ساری سزاؤں کا السٹیپ بائی

اسٹیپ میزانیہ ہے نہیں بھاگ سکتے پاپا ہم اپنے اعمال کی دلدل میں پھنس گئے ہیں جتنا ہاتھ پیر ماریں گے اتنا اندر اترتے جائیں گے۔"

عظمت امام کبھی بیٹے کو دیکھتے کبھی سامنے بیٹھے ڈی آئی جی کو۔

"آپ کے بیٹے کی باتیں؟ سچ ہیں یا دماغی۔۔۔"

"دماغی خلل ہے سر' فرسٹریشن میں ایڈیکشن زیادہ کرلی ہے تب سے ایسی بہکی بہکی باتیں کررہا ہے۔"

ڈی آئی جی نے افسوس سے شارق عظمت کو دیکھا

"آج کا نوجوان فرسٹریٹ بہت ہے جتنا اس میں پوٹینشل ہے جب وہ اس کو کام میں نہیں لاپاتا تو فرسٹریٹ ہو کر ایڈیکٹ بن جاتا ہے یا مجرم۔۔۔ مگر بہرحال آپ اس کا دھیان رکھیں اس طرح کے اسٹیٹ منٹ نا صرف اس کے لیے بلکہ آپ کے لیے بھی خطرناک ہوجائیں گے۔" عظمت امام اپیل پر چھوٹ کر گھر آگئے تھے۔

گڈی خبر پڑھ کر بھاگی تھی۔

"تمہارا شمشیر بری۔۔۔ کردیا قانون نے۔"

"مگر صاحب تو کہتے تھے اس نے صباجی کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔" ہنستا۔۔۔ چہرہ یک دم گہری سوچ میں گم ہوگیا وہ آدھے راستے سے پلٹ گئی تھی۔ افضل علی اسٹڈی روم میں نہیں تھے مگر وہ اندر داخل ہوگئی تھی۔

اس نے ایسے ہی درازیں کھولنی شروع کردی تھیں اسے پتا نہیں کس چیز کی تلاش تھی اور پھر بالکل غیر متوقع اسے وہ چیز مل گئی جس کا شائبہ اس کے دماغ میں تو تھا مگر نظر کو اس قدر جلدی اپنی کھوج سے بغل گیر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ نکالا میز پر رکھا کسی نے چیل کی طرح اسے اٹھالیا تھا۔

"منو بائی گڈی یہ آپ کے لیے نہیں ہے۔"

"مگر میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

سامنے افضل علی تھے گو مگو کیفیت میں کھڑے۔

☼ ☼ ☼

"آخر تو کبھی تھکتا بھی ہے۔۔۔" کام کرتے کرتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

"تھکن جمود کا نام ہے اور میں مرنے سے پہلے اس کا شکار نہیں ہوسکتا۔" چلچلاتی دھوپ میں لال بھبوکا اس کے چہرے کو دیکھ کر پہلے مزدور نے تاسف سے کہا۔

"تیرا چہرہ مزدوروں والا نہیں۔۔۔ تو تو بابو صاحب لگتا ہے۔" جواب دینے والا ہنس پڑا۔

"مزدوروں کے چہرے پر کوئی خاص بات ہوتی ہے کیا جو مجھ میں نہیں ہے۔" وہی مزدور سر ہلا کر مسکرایا۔

"میرا ابا کہتا ہے ہم مزدوروں کے چہرے پر مظلومیت اور تھکن کسی اشتہار کی طرح چسپاں ہوتی ہے ہمارا تو پیدا ہونے والا بچہ تک بے چارہ سا لگتا ہے۔ کبھی کبھی ترس آتا ہے اسے دنیا میں لایا ہی کیوں گیا' اپنی جیسی زندگی جینے کے لیے نہ سر پہ چھت نہ پیر کے نیچے زمین۔۔۔" وہ کھانے کے وقفے میں بیٹھ گیا تھا۔

"اللہ کہتا ہے شکر کرو میں تمہیں برکت دوں گا ہم شکوے کرتے ہیں اور اپنی زندگی خود عذاب کرلیتے ہیں۔ مچھلی کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے' اسے نامساعد حالات میں اپنی ہی صنف کی منہ کھولتی موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ان حالات میں جی کر زیادہ مضبوط طاقت ور ہوجاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے وہ اپنا ایک الگ گروہ اپنی ایک الگ دنیا بناتا ہے۔ ہم انسان ہو کر بس تجربہ کر اپنی زندگی کی اینٹ پر اینٹ رکھتے ہوئے اپنی عمر کی کمائی ختم کردیتے ہیں اور ایک دن شکوے کرتے کرتے مرجاتے ہیں مزدور کا بیٹا مزدور ہی مرے یہ ضروری نہیں۔"

مزدور ہنسنے لگا۔

"وہ ہی ایک چینل کا نعرہ لکھنے پڑھنے پر یقین کی بات مگر ہم لوگ جو اپنے پیٹ کا ایندھن نہیں بھر سکتے ہم کیسے اپنی نسل کو پڑھائیں۔"

"کیوں نہیں پڑھا سکتے؟ آج کل بین الاقوامی طور پر پاکستان کے مزدور سے لے کر تندور پر روٹی لگا کر اپنے اخراجات پورے کرنے اور اعلا تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کی پذیرائی سے بھرا پڑا ہے۔ مگر وہی بات ہم کس طرح جینے کو اہمیت دیتے ہیں اصل محور و مرکز یہ بات ہے۔"

"تم مجھے بہت پڑھے لکھے لگتے ہو کسی شو کے اینکر پرسن تو نہیں۔۔۔"

وہ اور زور سے ہنسا۔

"نہیں میں ایک مزدور ہوں اور راستے کی رکاوٹوں کو اپنے عزم سے دور کرنے پر اندھا یقین رکھتا ہوں' میرا اللہ صرف میری نماز نہیں میرا اللہ میرے سونے جاگنے کھانے پینے ہر چیز میں ایک دوست کی طرح ساتھ رہتا ہے۔ میں جہاں تھکنے لگتا ہوں وہی ہولے جی آکر کہتا ہے "ہار گئے مجھ پر یقین بس اتنا سا تھا" میں ایک دم پھر سے سیدھا ہو کر کھڑا ہو جاتا ہوں اور خود سے کہتا ہوں جو میرے دن رات کی نگہبانی ایسے کرتا ہے جیسے کوئی ماں اپنی اولاد کی نگہبانی کرتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے وہ مجھے میرے دکھ درد تکلیف میں تنہا چھوڑ دے وہ مجھے دے کر آزماتا ہے مجھ سے لے کر آزماتا ہے مجھے کچھ بھی نہ دے خالی ہاتھ رکھے تب بھی میرا ایمان اس کے رحم اس کے کرم سے منکر نہیں ہوسکتا۔"

مزدور نے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا تھا "تیری باتیں بڑی اوکھی پر دل کو لگتی ہیں مگر میں ان باتوں سے کتنا بھی رجھ جاؤں تھوڑی دیر کو اثر رہتا ہے پھر وہی خالی برتن جیسا دل چھنکنے لگتا ہے بے سوادی سا بے مزا سا۔"

اس نے کھانے کی بریک ختم ہونے کی سیٹی سنی اور پھر سے اس کی تگاری سیمنٹ سے بھرنے لگا "ایک اچھا مزدور وہی ہوتا ہے جو بار بار تگاری بھر بھر کر سیمنٹ ڈالتا جائے اس کے ہاتھ شل ہوجائیں تب بھی اجرت ملنے کی خوشی پر وہ محنت جاری رکھے' پھر بتا بار بار تگاری ڈالتے چلے جانے پر بھی تیرا دل یقین سے خالی رہ سکتا ہے۔"

مزدور چلا گیا تھا' مگر پھر لوٹ آیا تھا۔

"تو سیمنٹ کی بات کررہا تھا یقین کہاں سے آگیا۔"

"سیمنٹ بجری کرش سے مل کر ایک مضبوط چھت بنتی ہے کہ نہیں۔"

"ہاں بنتی ہے۔۔۔" وہ پھر سے تگاری بھرنے لگا۔

"تو بالکل اسی طرح' بار بار یقین جہاں ٹھوکر کھائے وہاں پھر سے اپنی زندگی کی کوئی ایسی بات یاد کر جب ساری دنیا تجھے چھوڑ چکی تھی مگر اس نے کسی نہ کسی سبب کسی اپنے بندے کے ذریعے تیرا ہاتھ تھام کر تجھے اس موقعہ سے نکال لیا ہو مگر تو نے اللہ کی ذات کی بجائے اسے اپنی تدبیر سمجھ کر اپنی پیٹھ تھپتھپائی ہو؟"

"ہاں بہت دفعہ ہوا ہے ایسا۔۔۔"

"مگر آج سے الگ راستہ چن کر دیکھ' میں نے ایک جگہ پڑھا تھا اگر گرمیانی کی مچھلی کو ٹھنڈے پانی میں ڈالو تو وہ مرجاتی ہے مگر یہ عمل نسل در نسل دہراتے جاؤ تو ایک وقت آتا ہے جینز سے ڈی این اے اپنا کوڈ بدل کر نئی میموری فیڈ کردیتا ہے اور اگلی کوئی نسل اسی مچھلی کو برف پر پھدکتا دیکھتی ہے۔ پھر ہم انسان ہو کر کیوں نہیں بدل سکتے' ہم بدلنے سے سمت چینج کرنے سے گھبراتے کیوں ہیں؟ ایک نسل دوسری نسل کی کاربن کاپی بن کر ان کے ہی انداز میں رو دھو کر مرجانے کو ہی سب کچھ کیوں سمجھتی ہے؟ لوگ مرجاتے ہیں مگر نہ نظریہ مرتا ہے نہ یقین مرتا ہے نہ اللہ کی اپنے بندوں سے نظر کرم کا رشتہ ٹوٹتا ہے۔"

مزدور کام کرتا جاتا اسے چھیڑ چھیڑ کے سوال پوچھتا جاتا یہاں تک کہ پانچ بج گئے کام روک دیا گیا۔ اس مزدور نے اپنے کپڑے بدلے نہا دھو کر اذان کی آواز پر لبیک کہتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

گڈی کے سامنے تصویریں بکھری ہوئی تھیں اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"اتنا بڑا جھوٹ بابا اتنا بڑا جھوٹ۔۔۔"

افضل علی سر جھکائے کھڑے تھے اور گڈی باہر نکل

گئی تھی۔

"میں بتاتی ہوں آخر سمجھتا کیا ہے شمس خود کو...." غصہ اس کے وجود کے ہر موئے تن سے جھلک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

فیضان مصطفیٰ نے صبا صدور سے ایک سادہ سی تقریب میں نکاح کر لیا تھا' صبا صدور کی شادی کی خبر — اخبارات میں صدور بخشی نے نمایاں جگہ پر چھپوائی تھی پھر نکاح کے بعد وہ پہلی بار اکیلے بیٹھے تھے جب صبا صدور نے دکھ سے کہا تھا۔

"تصویریں ٹھیک تھیں مگر اس حد تک نیک نہیں تھیں جیسی ثابت ہوئیں کیا ابا نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تھا؟"

فیضان مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا اور ایک لفافہ سامنے رکھا تھا' صبا صدور نے تصویریں اور نگیٹیوز دیکھے اور پھر سے رونے لگی تھی "میں نے اور اظفر نے مل کر شمس اور گڈی کو بدنام کرنا چاہا تھا۔ میں اظفر کے ٹرانس میں تھی۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی اگر میں نے اس کام میں اس کا ساتھ نہیں دیا تو وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ میرا سانس رکتا تھا یہ سوچ کر ہی کہ زندگی ہو مگر اس میں اظفر منہاس نہ ہو.... میرا دل کہتا تھا میں جو کر رہی ہوں غلط ہے مگر اظفر منہاس کی حکم دیتی آنکھوں کے آگے میرا دماغ "صم" "بکم" ہو جاتا تھا۔ اظفر منہاس قد کاٹھ میں شمشیر جیسا تھا اور...."

"بس کرو میں یہ سب جانتا ہوں جس نے یہ مجھے بھیجا ہے اس نے لفافے کے ساتھ کال کر کے کہا تھا۔ صبا بی بی اتنی باعزت اتنی پاک باز ہیں کہ جو بھی انہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنائے گا اس کی زندگی سنور جائے گی۔ صبا بی بی اندھیرے میں چمکتی ہوئی روشنی کی کرن ہیں اور اس کی اہمیت وہ جان سکتا ہے جو گھپ اندھیرے میں قید کر دیا گیا ہو...."

صبا صدور اور زور زور سے رونے لگی۔

"شمس تم کیا تھے اور میں تمہیں کیا سمجھی۔"

فیضان مصطفیٰ اس کا شانہ تھپک رہا تھا۔

"جتنا رونا ہے اب رو لو رخصتی کے بعد اگر یہ آنسو گرائے نا تو روز ممّا سے ڈانٹ پڑنی ہے مجھے۔ تمہیں نہیں پتا انہیں بیٹیوں کا کتنا شوق ہے اور اس سے بھی بڑھ کر بیٹی کے لاڈ اٹھانے کا مکمل شوق موجود ہے۔" صبا صدور ہلکا سا مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں نے غلط کیا مگر مجھے وفاداری میں ایسا کرنا پڑا' ایک بار کسی کا نمک کھا لو تو نمک حلالی فرض اور حکم بن جاتی ہے مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا کہ میرے صاحب افضل علی کی عزت سرعام نیلام ہو جانے کو ہے ایک لمحے کو میرا دماغ ماؤف ہو گیا جب شارق کے شوفر کو میں نے اظفر منہاس کے شوفر سے بات کرتے سنا۔ چائے خانہ ہم ملازمین کی پسندیدہ جگہ تھی یہیں میری ملاقات پہلی بار اکبر سے ہوئی' میں نے اسے نظروں میں رکھ لیا پھر ایک جگہ دیکھ کر اس کو پیسہ کا لالچ دیا مگر پیسے کے لیے حریص نہیں بنا تھا اور وہ غریب ہو کر پیسے کے لیے کیوں حریص نہیں ہوا میں جانتا تھا سو میں نے اس کے چند فوٹوگراف اس کے سامنے لا رکھے یہ سمیرا اور اس کے چند ناقابل فراموش لمحات کی کہانی بیان کرتی تصویریں تھیں۔

وہ پیلا پڑ گیا پھر اسے ریموٹ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں نے فیک فوٹوگراف یوٹیوب پر ڈاؤن لوڈ کروائے اور اخبارات کی سائٹ پر بھجوائے ان کی چال چلنے سے پہلے میں داؤ کھیل گیا تھا مگر میں صبا صدور کا برا نہیں چاہتا تھا تبھی میں نے ساری فوٹوگراف مکمل فیک بنوائی تھیں اس کے لیے مجھے گڈی صاحبہ کے اکاؤنٹ سے پیسے بھی نکلوانے پڑے۔ بیلنس شیٹ دیکھ کر گڈی صاحبہ چیخی بھی تھیں اتنی بڑی رقم کہاں گئی مگر وہ دوسرے گھنٹے میں یہ بات بھول گئی تھیں اپنے لاابالی پن کو اس کا مجرم ٹھہرا کر انہوں نے خود کو ریلکس کر لیا مگر میں نے اس وفاداری میں جو جو کیا غلط تھا۔ سمیرا کی زندگی کو کسی پاپارازی فوٹوگرافر کی طرح کیش کرنا غلط تھا' صبا صدور جیسی پاکباز لڑکی کی غلطی کو گناہ بنا کر پیش کرنا غلط تھا گڈی صاحبہ کے اکاؤنٹ سے پیسہ نکلوانا کسی کرپٹ انسان کی طرح یہ بھی غلط تھا اور غلطی جب گناہ بن کر زندگی کو لگ جائے پرانے سارے اعمال کو کھا جائے تو اس کا کفارہ ضروری ہوتا ہے۔

اور میری یہ تکلیف وہ زندگی کفارہ ہی تو ہے میں کتنے ماہ سے شہناز سے دور ہوں اپنے آپ سے دور ہوں' میں اب اپنا چہرہ نہیں دیکھتا کیونکہ جب میں اپنا چہرہ دیکھتا ہوں مجھے شہنی کی آنکھیں یاد آ جاتی ہیں استغراق سے لو دیتی ہوئی بے خود آنکھیں جس عشق سے وہ مجھے دیکھتی تھی' آج تک زندگی میں کسی نے مجھے ایسا نہیں دیکھا.... ہائے میرا محبت کا شہر میری شہنی کی ادھوری محبت کی کہانی...."

وہ گھٹنوں پر سر جھکائے سوچتے سوچتے ٹھنڈے فرش پر لیٹ گیا۔

"سرد ہوائیں بہت ظالم ہوتی ہیں آپ سے کسی اور کا عکس بن کر ٹکراتی ہیں پھر دیر تک آپ کے افسردہ چہرے پر ہنستی ہیں...."

"میں نے سنا تھا' جب ہم گناہ کرتے ہیں تو ہمیں وہ رب تکلیف دکھ کے ذریعے اس گناہ کے اثرات سے پاک کرتا ہے۔ ہمارا معاملہ اچھا ہو ہمارے اعمال اچھے نہ ہوں تو وہ ہمیں دکھ بیماری دے کر نکھارتا ہے تاکہ ہم اس مقام کے قابل ہو کر اس مقام تک پہنچیں میں اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے گناہ کی سزا دنیا میں دے کر میرے اعمال کو بہتر کیا۔ میں شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے راندہ درگاہ نہیں کیا میں شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنا دامن مجھ سے نہیں چھڑایا۔ مجھے زیادہ سہولت' زیادہ آزادی اور شخصی غرور میں نہیں لتھڑنے دیا' میں شکر گزار ہوں کہ وہ آج بھی میرا ہے میری ساری کوتاہیوں کمیوں نالائقیوں کے باوجود' وہ آج بھی میرا ہے۔"

رات کا پتا نہیں کون سا پہر تھا جب وہ پھر سے اٹھا اور سجدہ گزار ہو کر شکر کر رہا تھا اور شکر گزار بندوں سے

معافی عنمت بہت دور نہیں ہوتیں۔

☼ ☼ ☼

گڈی پاگلوں کی طرح اسپتال میں بھاگی پھر رہی تھی آج بہت اچانک اس کے اشتہار کا جواب آیا تھا۔ کسی نے فون کرکے کہا تھا اس کا مطلوبہ شخص اسے یہاں مزدوری کرتا ہوا مل سکتا ہے مگر جب وہ شہناز کے ساتھ وہاں پہنچی تو پتا چلا وہ آج آیا ہی نہیں وہ مزدور سے اس کے کرائے کے گھر کا پتا لے کر وہاں گئی تو ایک دل ہلا دینے والی خبر اس کی منتظر تھی۔ اس پرانی عمارت کی پرانی وائرنگ میں شارٹ سرکٹ کی باعث آگ لگ گئی آگ پھیلنے پر سب جاگے اور ایک شخص ان سب کو اپنی جان پر کھیل کر بچاتا رہا۔

"وہ شمس ہے....." اس کے دل نے بے ساختہ کہا اور اب وہ اس اسپتال میں کھڑی تھی کاؤنٹر سے کچھ نہیں پتا چل رہا تھا تب ایک ڈاکٹر سے معلوم ہوا۔

"جی' جی وہ یہاں لایا گیا مگر دوسروں کی جان بچانے کے چکر میں اس کی اپنی جان چلی گئی بہت بہادر آدمی تھا بہت ہی بہادر آدمی....."

"ہم اسے دیکھ سکتے ہیں....."

"دیکھ لیجیے مگر آپ اس کا چہرہ نہیں پہچان سکتے' بری طرح جھلس گیا ہے لوگ کہتے ہیں شمس تھا وہ....."

"ہاں وہ شمس تھا..... سورج ہماری زندگی کا سورج۔"

لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جا رہا تھا۔

شہناز بت کی طرح کھڑی تھی اور گڈی شاید وہاں نہیں تھی۔ ایک شخص جسے آپ نے زندہ دیکھا ہو اپنے سامنے چلتے پھرتے اس شخص کو مردہ دیکھنا کس قدر اذیت ناک ہے۔

لاش باہر آچکی تھی۔ شہناز کو چکر آگیا' گڈی جو کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے چہرے پر ڈلی ہوئی چادر ہٹا رہی تھی وہ گھبرا کر پلٹی۔

میل نرس نے شہناز کو سنبھالنے میں اس کی مدد کی تھی۔

افضل علی' ثانیہ' صبا صدور' فیضان مصطفیٰ بھاگے چلے آئے تھے۔

افضل علی لاش کو ایمبولینس میں رکھوا رہے تھے جب کسی نے ان کا کندھا تھاما تھا۔

"کیا ہوا افضل صاحب کون چلا گیا ہے....." افضل علی نے کرنٹ کی رفتار سے مڑ کے دیکھا شمشیر لمبا چوڑا صحت مند ان کے سامنے کھڑا تھا۔ "بس اس کا داہنا ہاتھ زخمی تھا۔

"تم زندہ ہو....."

"جی' میں آج مزدوری پہ جا رہا تھا تو بس سے گر گیا فریکچر ہو گیا تھا تو یہاں اسپتال آیا آپ کس کے لیے....."

"گڈی گڈی....." افضل علی اپنی ساری بردباری چھوڑ کر جوشیلے بچے کی طرح چیخ رہے تھے..... گڈی گھبرا کر آئی اور پاگلوں کی طرح شمشیر کے گلے سے جھول گئی تھی "تم زندہ ہو شمشیر تم زندہ ہو....."

افضل علی اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کر رہے تھے وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑا تھا کیا وہ اتنا اہم ہو سکتا تھا کسی کے لیے۔

"میں انسانیت پر یقین رکھتا ہوں' دین اور سیاست میں گروہ بندی کا قائل نہیں میں ثواب کے لیے نیکی نہیں کرتا' میں بس اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے اچھائی کرنے کا قائل ہوں وہ چاہے اس کا اجر دے یا ایسے ہی رد کر دے' میرا دل اپنے رب کی محبت سے بھرتا جاتا ہے میں پہلے سے زیادہ اچھائی کروں گا' پھر کروں گا' پھر کروں گا یہاں تک کہ وہ آگے بڑھ کر مجھے اپنے دربار میں بیٹھنے والوں کی سب سے آخری صف میں جگہ دینے پر مجبور ہو جائے گا وہ جب سب کو نگاہ کرم سے دیکھے گا تو سب سے آخری صف میں مجھ پر بھی اس کے نگاہ کرم کی کرنیں گریں گی' میرا دل بھی مصفا ہو جائے گا۔ میں بھی ہار نہیں مانوں گا' معافی اور شکر کرتا رہوں گا کبھی تو اس کا دل پسیجے گا وہ مسکرا کے مجھے دیکھے گا اور کمال محبت سے کہے گا' تیری بار بار کی

دستک سے جا میں نے تجھ پر اپنے ساتوں در کھول دیے جا صدقہ کیا جا فلاح دی تجھے....." "تم ایف 11 میں نہیں رہتے تھے؟"

"رہتا تھا مگر ایک ہفتہ پہلے میں نے اپنا کمرہ بدل لیا' ایک بہت بے چارہ سا شخص ملا تھا' چائے خانے میں شمس الدین نام تھا اس کا' گاؤں سے ابھی ابھی یہاں کمائی کے لیے آیا تھا' اس کو رہائش کی سخت ضرورت تھی تو میں نے اپنا کمرہ اس سے بدل لیا تھا اس کی رہائش اس کے کام کی جگہ سے بہت دور تھی وہ وقت پر نہیں پہنچ پاتا اور اگر وہ وقت پر نہیں پہنچتا تو اس کی نوکری چلی جاتی وہ ٹرائل بیس پر تھا اس لیے میں نے سوچا....." وہ کہتے کہتے رکا اور اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

"تو کیا....."

افضل علی نے اس کا کاندھا تھپکا۔

"ہاں' شمس الدین چل بسا لوگوں کو اس جلی ہوئی عمارت سے نکالتے نکالتے خود جھلس کے شہید ہو گیا۔"

"انا للہ وانا الیہ راجعون....." اس نے زیر لب دہرایا۔

افضل علی لاش کو اس کے گاؤں بھجوانے کے انتظامات میں لگ گئے اور وہ گڈی کے ساتھ اسپتال میں شہناز کے پاس آگیا۔

شہناز خاموش لیٹی آسمان کو تک رہی تھی۔

وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا مگر اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"شہنی....." اس نے اسے پکارا ایک نہیں کئی بار تب اس کی پتلی میں حرکت ہوئی۔ اس کی آنکھیں شمشیر کے چہرے پر آکر ٹک گئیں اور پھر اس کا سمندر رول رونا..... صبا صدور گڈی سب پریشان ہو گئے تھے۔

شمشیر ہلکا سا مسکرایا۔

"زندہ ہوں گوریا مکمل' کیوں رو رہی ہو....."

"کیوں گئے مجھے چھوڑ کر' کیوں گئے تھے....." وہ آس پاس کا لحاظ کیے بغیر اس سے جھگڑ رہی تھی' ذہنی طور پر وہ اتنی ہی ڈسٹرب تھی۔

"اگر چھوڑ کے نہیں جاتا تو یہ کیسے پتا چلتا تم مجھے کتنا پیار کرتی ہو....."

"بہت ظالم ہو' بہت گندے....." وہ اس کے کندھوں پر مکے مار رہی تھی۔

"ساری پٹائی آج ہی کر لو گی یا کچھ بعد کے لیے بچا کے بھی رکھو گی....." شمشیر نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ گاڑی میں بیٹھنے والے تھے جب صبا صدور نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں لیکن میرا دل چاہتا ہے میں تمہیں بھائی کہہ کر پکاروں....."

"کیا اس قابل ہوں میں....." شمشیر کی آنکھیں بھیگنا شروع ہو گئی تھیں۔

یہ رشتے یہ سب کچھ..... وہ اکیلا کھڑا تھا مگر اس رب نے کہاں کہاں سے اسے کتنے سارے دھڑکتے دلوں کے درمیان لا کھڑا کیا تھا۔

"آپ اگر مجھے بھائی کہیں گی تو میری عزت اور بڑھ جائے گی صبا صاحبہ....."

"میں ہمیشہ تمہیں یاد رکھوں گی شمس بھیا' اپنی ہر دعا میں یاد رکھوں گی۔"

وہ مسکرانے لگا کچھ نہیں بولا اور کبھی کبھی کہنا بولنا ضروری بھی کہاں ہوتا ہے۔ اس کے دل کے لیے یہ اجر کم نہیں تھا کہ وہ اکیلا تھا مگر اب بہت سے دل اس کے لیے اور صرف اس کے لیے دھڑک رہے تھے۔

یہ اجر کم نہیں تھا ساری عمر کو کافی تھا بلکہ بہت کافی تھا۔

☼ ☼

ماڈل :	ایشا خان
میک اپ :	روز بیوٹی پارلر
ٹرانسپیرنسی :	موسیٰ رضا

حسنا بھابی بری طرح سے تھکی بیٹھی تھیں پھر رہ رہ کر انہیں اس کے کمرے کا بھی خیال آرہا تھا جو تیسری جنگ عظیم کا نقشہ پیش کررہا تھا اور جسے انہیں ہر صورت میں اس کے آنے سے پہلے درست کرنا لازم تھا۔ نفاست صفائی ستھرائی اس کا مزاج تھا مگر صرف دوسروں سے عمل کروانے کی حد تک ورنہ جہاں وہ ہوتا۔ وہاں سکون امن رہ ہی نہیں سکتا۔ چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ تینوں بھائی بے حد محبت کرتے تھے اماں بابا تھے نہیں سب سے بڑے بھیا اسٹیٹ میں خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے باوجود اس کا دم بھرتے تھے اور وہ خود بھی ان کے نام کی مالا جپتا رہتا۔ رہے وامق اور رشید بھیا تو وہ جان تھا ان کی اس لیے وامق کی خوشنودی کے لیے حسنا بھابی اس سے محبت کرتے رہنے پر مجبور تھیں ورنہ کبھی کبھی تو وہ اس کی بے جا ضدوں اور شرارتوں سے گھبرا جاتی تھیں۔

"بھابی! سوئیے مت' عمل کیجیے' مشہور قول ہے۔" "اس سے پہلے کہ کچھ کرنے سے پہلے ایک کپ چائے۔" اس نے کپ آگے بڑھایا تو وہ چلائی "نہیں چاہتی نہیں مگر پھر بھی پلا رہی ہو۔"

"راحیل! کچھ دیر پہلے تم نے یونیورسٹی جانے کا قصد کیا تھا کیا ارادہ ملتوی ہو گیا ہو یہ بے نیازی ہے۔"

"تھوڑی دیر بھابی' ارادہ اب بھی پکا ہے لیکن وہ کیا ہے کہ جلدی تو عام لوگ جاتے ہیں۔ وی آئی پی کو تو تقریب کے آخر میں ہی جانا چاہیے۔"

"ہاں کیوں نہیں یونیورسٹی تو تمہاری ذاتی جاگیر ہے' جاؤ نہ جاؤ کیا فرق پڑے گا۔"

"ارے واہ کیوں فرق نہ پڑے گا' سر سلیمان عیسیٰ اگر مجھے نہ دیکھیں گے تو پتا ہے کیا محسوس ہوگا انہیں؟" بھابی نے برا سا منہ بنا کر اس کی طرف دیکھا کچھ کہا نہیں اور وہ شان و شرارت سے کالر اکڑا کر خود ہی بولا۔

"سر سلیمان عیسیٰ مجھے نہ دیکھیں گے تو کہیں گے تمہیں نہ دیکھ کر مجھے لگتا ہے میں نے آج تک کچھ دیکھا ہی نہیں۔"

"واہ خوش فہمی ملاحظہ ہو۔" بھابی استہزائیہ ہنسیں پھر جیسے ایک رنگ سا آ کر گزر گیا ان کے چہرے پر۔ "تم نے کیا نام لیا تھا ابھی سر کا؟"

"سر سلیمان عیسیٰ کیوں نام ہی چونکا دینے والا ہے نا ان کا ویسے سنا ہے کہ وہ دیکھنے والوں کو اپنی وجاہت سے بھی ہرا دیتے ہیں' بہت غضب کی پرسنالٹی ہے ان کی۔"

"تم نے پہلے بھی دیکھا ہے انہیں؟" بھابی نے نپے تلے لہجے میں اپنی خشک زبان تر کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا تو وہ یوں ہنسا جیسے ان کی ناقص معلومات پر مذاق اڑا رہا ہو۔

"بھابی کہاں بس رہی ہو؟ بتاؤ نا تم نے سر سلیمان عیسیٰ کو پہلے کیا دیکھا ہے؟" راحیل نے انہیں سنجیدگی سے سنا پھر آہستہ سے بولا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ سر سلیمان عیسیٰ کوئی عام شخص نہیں ہیں' بین الاقوامی سیاسیات ہیں' دوسری بات یہ کہ اگر میں نے ان کی تصاویر اخبار میں نہ دیکھی ہوں تو تب بھی انہیں جانتا کیونکہ رعنا آپی کا سارا کلیکشن میرے پاس جو ہے۔"

"رعنا کا کلیکشن یعنی؟"

"یعنی یہی کہ سر سلیمان عیسیٰ کی تصاویر' ان کی تعریفوں میں انگلش اردو ملکی غیر ملکی اخباروں میں چھپنے والے آرٹیکل' خود ان کی تجزیاتی رپورٹس' ان کے لیکچرز' سبھی کچھ میرے پاس امانت کی طرح رکھے ہیں یقین کیجیے اگر یہ سب کچھ میرے پاس نہ ہو تو میں بالکل کنگال ہو جاؤں آئی لو سر سلیمان عیسیٰ۔"

"دیکھے بغیر اتنی شدید محبت کا اظہار کچھ بھلا نہیں لگا۔"

راحیل نے دیکھا پھر خوابوں بھری آنکھیں ان کے چہرے پر گاڑ کے بولا۔

"بعض چہرے اور جذبے کسی ان دیکھے واسطے سے نہیں جانے جاتے۔ بلکہ انہیں کسی بلاواسطہ رابطے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیوں کہ بعض چہرے محبت کی طرح آپ کے خون میں ازل سے گھول دیے گئے ہیں' اس لیے جس طرح لوگ آکسیجن کے بنا نہیں جی سکتے اس طرح میں سر سلیمان عیسیٰ اور بھیا کی چاہت کے بنا ایک پل نہیں چل سکتا۔"

"بڑے بھیا کے لیے تمہارا جذبہ قطعاً فطری ہے مگر یہ سر سلیمان عیسیٰ؟"

"جی یہ سر سلیمان عیسیٰ بظاہر میرے کچھ نہیں لگتے مگر سیکڑوں افراد کی طرح یہ میرے آئیڈیل ہیں اور بھابی جب کسی کو کوئی آئیڈیل بنا لیتا ہے نا تو اس کی نظر میں اپنی ذات بھی بے وقعت ہو جاتی ہے' ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ اس یونیورسٹی میں' میں نے صرف اس لیے داخلہ لیا تھا کہ سر سلیمان عیسیٰ اس کے اعزازی پروفیسر ہیں۔ عموماً باہر رہتے ہیں مگر جب بھی ملک میں آتے ہیں یونیورسٹی میں لیکچرز ضرور دیتے ہیں' سو میں نے سوچا ہمیشہ نہ سہی کبھی کبھی اپنے آئیڈیل کو اس طرح قریب سے تو دیکھ سکوں گا اگر موقع ملا تو کچھ کر

لینے کا بھی پورا ادا کرتے، بہت شکریہ تمہارے سارا دن بنانے کا۔ اب چلتا ہوں دعا کیجئے گا کہ آج کا دن اچھا گزرے۔" وہ بکس اٹھا کر ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا پھر یونیورسٹی پہنچا تو گیٹ سے ہی اس کے بیسٹ فرینڈ ندر رضا نے اسے اچک لیا' بغل گیر ہو گیا اور جدا ہوتے ہوئے اس کی پیشانی پر مدح سرائی کر بیٹھا' گرچہ دن تو پہلے ہی اکری ہوئی تھی اس قصیدہ پر تو کلف ہی لگ گیا۔ تمام کلاس فیلو پہلے ہی دن اس سے مرعوب ہو گئے لیکن تیسرے پیریڈ تک آتے آتے کلف خود بخود ڈھلک گیا۔ غیر متوقع آج سر سلیمان عیسٰی سیاسیات کا پہلا پیریڈ لینے کے لیے کلاس روم میں جو چلے آئے تھے۔ اسے ان کی آمد پر حیرت تھی سو بے ساختہ بولا۔

"سر! دو دن پہلے تو آپ روم میں تھے پھر اچانک کیسے؟"

"کیوں ینگ بوائے میری آمد ناگوار گزری ہے تمہیں؟"

"نو سر بھلا ایسا کیوں سوچا آپ نے؟" گھبرا کر پہلے جذباتی جملے کا ازالہ کیا پھر نرمی سے بولا۔ "آپ میرا آئیڈیل ہیں سر یقین کیجئے میں تو اس یونیورسٹی میں آیا ہی آپ کی وجہ سے ہوں۔"

"اچھا' مجھے حیرت ہے کیا واقعی میں اتنا اہم ہوں؟"

"جتنا آپ جان سکے ہیں سر' یقین کیجئے آپ ہمارے لیے' اس ملک کے لیے اس سے کہیں بڑھ کر اہم ہیں۔"

"تھینک یو مائی چائلڈ' تمہارے ان خیر سگالی جذبات نے مجھے بہت متاثر کیا ہے' پہلے سے کہیں یقین بڑھایا ہے خود پر۔" سر سلیمان عیسٰی نے محبت سے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دوالی محبت سے کہا تو وہ فور خوشی سے گونگا ہو گیا' کہاں برسوں سے پوجا جانے والا آئیڈیل کہاں بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اتنا قریب کہ وہ نہ صرف انہیں چھو سکتا تھا بلکہ ان کے پسندیدہ پرفیوم کی خوشبو بھی خود میں جذب کر سکتا تھا۔

آج کا دن میری زندگی کا یادگار دن ہے سر۔ بدقت اس سے اتنا ہی کہا گیا۔ سر سلیمان عیسٰی جواباً زبان سے کچھ نہ بولے صرف سرہلا کر آگے بڑھ گئے اور وہ پہلے دن ہی سے تن من کے ساتھ اپنی پڑھائی میں مگن ہو گیا۔ وہ سہ پہر تک گھر پہنچا تو اس کی تمام باتوں کا مرکز سلیمان عیسٰی ہی کی ذات تھی۔ عینا بھابی یہ قصیدہ سن سن کر بور ہو گئی تھیں لیکن راحیل کی سماعتیں بصارتیں اور منطق جیسے اس ایک نام ہی کے گرد طواف کر رہا تھا اس لیے انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ورنہ دل تو بری طرح اس کے آئیڈیل کی دھجیاں اڑانے کو بے تاب تھا۔

"بھابی آپ صرف اس وقت تک خفا ہیں جب تک آپ انہیں دیکھ نہیں لیتیں ورنہ یقین کیجئے ان کی ذات سحر کاری میں یکتا ہے۔"

"ہو گی' یہ میرا دردِ سر تو نہیں۔" عینا بھابی نے اپنی جان بچائی اور اس نے برا سا منہ بنا کر انہیں دل ہی دل میں کور ذوق ہونے کا خطاب دے ڈالا۔

لیکن زندگی کسی خطاب یا اعزاز کی محتاج تو نہیں ہوتی اس لیے آگے کی طرف کا سفر جاری رکھے چلتی ہی چلی گئی۔ وہ سر سلیمان عیسٰی کی گڈ بک میں ایک اچھے طالب علم کی طرح شمار ہونے لگا تھا جب اچانک سر سلیمان عیسٰی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے غیر معینہ مدت کے لیے یونیورسٹی سے ترک تعلق کر گئے تو اسے لگا جیسے پوری یونیورسٹی' تمام تر ایکٹیویٹی کے باوجود بوحق پڑی ہے' کسی چیز میں دل نہیں لگتا تھا مگر زبردستی اسے دل لگانا پڑا۔

جب ڈیڑھ ماہ بعد اسے سر سلیمان عیسٰی کے لوٹنے کی خبر اخبار سے ملی تو وہ بائیک پر یونیورسٹی کے بجائے ایئرپورٹ کی سمت دوڑ پڑا۔ ایئرپورٹ پر بے شمار لوگ سر سلیمان عیسٰی کو خوش آمدید کہنے کے لیے منتظر تھے اس لیے اسے لگتا تھا اس کا جانا ہونا برابر ہے۔ اتنے چہروں میں وہ کہاں دکھائی دے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے اس خیال سے زیادہ اس بات سے سوکر تھا کہ اس نے سب سے پہلے سر سلیمان عیسٰی کو ریسیو کیا۔

یونیورسٹی کے ہر شخص سے پہلے اپنی بصارت میں انہیں جذب کیا اور یہ خوشی اتنی بڑی تھی کہ احساس کم مائیگی پر شبنم کی طرح ایسے برس گئی کہ ہر سود و زیاں ختم ہوتا چلا گیا۔

"ویلکم سر!" آنے والے آگے بڑھے۔ اس نے بے وقت کوشش کر کے کئی لوگوں میں سے صرف انہیں قریب سے دیکھنے کے لیے جگہ بنائی اور سر سلیمان عیسیٰ کی نظر ہر ایک سے ٹکرا کر صرف اس پر ہی تھم گئی۔

"او ینگ مین! تم یہاں! آج یونیورسٹی کی چھٹی کی ہے کیا؟" وہ قریب ہی چلے آئے تو اس کی سانسوں میں بے انتہا تیزی آگئی' مسرت اور اہم ہونے کا احساس خون کے ایک ایک ذرے میں گردش کرنے لگا۔

"بھئی اب خاموش ہی رہو گے یا کچھ بولو گے بھی۔"

"کیا بولوں سر! آپ کی اس قدر عنایت پر لفظ ساتھ چھوڑ گئے ہیں' ویسے اگر ایک عنایت کر دیں تو میں سمجھوں گا میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔"

"اچھا ایسی بات ہے' جلدی سے بتاؤ کیا کام ہے دراصل آج میں بہت مصروف ہوں۔"

"کوئی بات نہیں سر' صرف چند سیکنڈ لگے گا' پلیز آٹوگراف دے دیجیے مجھے۔" اس نے بیگ پاکٹ سے آٹوگراف بک سامنے کر دی تو انہوں نے پین نکال کر نہایت خوب صورت لکھائی میں لکھا۔ "پیارے راحیل کے نام!

مجھ کو دشمن کے ارادوں پہ بھی پیار آتا ہے
تری الفت نے محبت مری عادت کر دی

شعر لکھ کر نیچے انگلش میں دستخط کیے اور پھر مسکرا کر لوٹا دی۔ "کیوں ینگ مین! آٹوگراف ٹھیک دیا یا کچھ کمی رہ گئی؟"

"اوہ نو سر' میرے تصور سے زیادہ خوب صورت رہا یہ آٹوگراف۔" اس نے بک واپس لے لی۔

پھر دوسرے دن یونیورسٹی پہنچا تو سب سے پہلے فہد رضا کو اپنی اس خوشی میں شیئر کیا' لہجے میں مسرت ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔ جب اس نے بتایا۔ "گریٹ نیوز فہد! کل صبح سب سے پہلے میں نے سر سلیمان عیسیٰ کو خوش آمدید کہا۔"

"کیوں نہیں' آج اخبار میں یہی بیان کتنوں نے دیا ہے مجھے یقین ہے تمہاری بات کا۔"

"تم شاید مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو' یہ دیکھو آٹو گراف' سچ ہے کل میں نے سر سے نہ صرف ہاتھ ملایا بلکہ یہ آٹوگراف بھی لیا۔" اس نے بک سامنے پھیلا دی تو فہد رضا کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا اور اس کے لہجے میں حسرت آگئی۔

"کاش یار کل تم مجھے بھی ساتھ لے جاتے' تمہیں پتا تو تھا کہ میں بھی ان کے پرستاروں میں شامل ہوں۔"

"ہاں' یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں اس لیے اداس ہونے کی بجائے خوش ہو جاؤ کہ سلیمان عیسیٰ صاحب سے ملنے کا ایک چانس اب بھی ہماری پاکٹ میں ہے یہ دیکھو ان کا کارڈ' وہ ملنے کے لیے بہت کم وقت نکال پاتے ہیں لیکن انہوں نے مجھ سے خود ملنے کی خواہش کی' میں کس قدر خوش ہو سکتا ہوں اس آفر پر۔"

"آئی نو' میں تمہاری خوشی کا گراف بنا سکتا ہوں لیکن اسے یاد رکھنا کہ تمہیں اکیلے ہرگز نہیں جانا اب کی بار میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

"کیوں نہیں' بھئی ایک تم ہی تو میرے خاص دوست ہو' تمہارے ساتھ اس خوشی کو نہیں بانٹوں گا تو پھر کس کو شریک کروں گا' یہ بس طے ہے جب جاؤں گا تو تم میرے ساتھ ہو گے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اتنے مکمل وعدے پر فہد رضا کی آنکھوں میں خوشی کے دیپ جل اٹھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس خوشی کو سلیبریٹ کرتے راحیل کو موسمی بخار نے دبوچ لیا۔

اس کی بیماری کا یہ دوسرا دن تھا جب کام کرتی بھابی کی سماعتوں میں سیل فون کی گھنٹیوں نے تکرار اثر ڈالا' وہ کچن سے نکل کر سیدھی ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ فون ریسیو کیا تو سحر زدہ انداز میں ہکلائیں۔

"جی! آپ سلیمان عیسیٰ صاحب جی' کے راحیل

[illegible] ہولڈ کیے بولتی ہوئی [illegible]
بیٹھے اس تک پہنچایا اور وہ جو نازک مزاجی دکھا کر بستر سے قدم بھی نہیں اتار رہا تھا یکدم بھاگتا ہوا فون تک پہنچا۔

"ہیلو سر! میں راحیل بول رہا ہوں' جی بالکل ٹھیک ہوں' معمولی سا نزلہ بخار ہے اور تو کوئی خاص بات نہیں جی میری بھابی تھیں' ارے نہیں سر' پرابلم کیسی' محبت تو ان سے بھی زیادہ شدت پسندی کی قائل ہے' تو سر آپ مطمئن رہیے دو چار دنا میں' میں بالکل فٹ ہو جاؤں گا' جی کیوں نہیں میری عزت افزائی ہے' ضرور آؤں گا سر' اچھا خدا حافظ۔" ریسیور رکھ کر مڑا تو بھابی کو سوال' خدشات سمیت' خود پر مرکوز پایا۔

"میرے بارے میں کیا کہہ رہے تھے یہ سلیمان عیسٰی؟"

"ظاہر ہے تعریف کر رہے تھے آپ کی۔"

"مگر بغیر دیکھے ہی کس قسم کی تعریف کی جا سکتی ہے آخر کہہ کیا رہے تھے؟"

"کہہ رہے تھے تمہاری بھابی بہت مہذب اور پڑھی لکھی لگتی ہیں۔ لہجے سے حسب نسب جان جاتے ہیں یہ سلیمان عیسٰی۔"

"بس رہنے دو' یہ بڑے لوگ اور ان کے دعوے یہ لوگ بس یونہی ہوتے ہیں اندر سے کھوکھلے' بھدے سے۔"

"بس بھابی' پلیز' آپ جانتی ہیں میں سلیمان صاحب کے متعلق کچھ نہیں سن سکتا۔"

"ٹھیک ہے پھر کان بند کر لو اپنے' میں تو جو دل میں آئے گا کہوں گی تمہارے اس سلیمان عیسٰی صاحب کو۔"

"مگر کیوں آخر بگاڑا کیا ہے آپ کا انہوں نے؟"

"یہ بتانا میری ذمے داری تو نہیں راحیل۔" وہ رکھائی سے کہتیں اٹھ کے چلی گئیں۔ آواز سن کر جو سحر چھایا تھا وہ منٹوں میں اتر گیا تھا اس لیے وہ بدمزگی سے بچنے کے لیے کچن میں ہانڈی کے نیچے آنچ دھیمی کر کے اپنے کمرے میں آ گئیں' پھر بیڈ پر بیٹھیں تو یکلخت

[illegible] میں پہنچا [illegible] ہو بالکل راحیل کی طرح یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے سلیمان عیسٰی کی دیوانی ہو گئی تھی۔ سلیمان عیسٰی اس کے پیمانے پر پورے اترتے تھے' ملکی' بین الاقوامی سطح پر ان کو اپنے انداز تخاطب اور وسیع سوچ کی وجہ سے ہمیشہ پذیرائی ملی تھی اس لیے وہ بحیثیت ان کی فین اور اسٹوڈنٹ کے جہاں بھی ان کی آمد کی اطلاع پاتی۔ انہیں دیکھنے کے لیے دوڑی جاتی' صرف ایک جھلک دیکھنے کے لیے اپنے وقار سے کئی سیڑھیاں نیچے تک اتر آتی اور انہیں گھورتی رہتی۔ چچا جان کی عزت و تکریم کا خیال دلاتیں' سمجھاتیں کہ وہ جب یونیورسٹی میں ان سے فیضیاب ہو جاتی ہے تو ادھر ادھر کیوں دوڑی پھرتی ہے' وہ استاد ہیں عزت توقیر کرنا فرض ہے' لیکن یہ دانش مندی تو نہیں کہ طالب علم کے درجے سے کسی اور مقام پر رکھ کر تم ان کو اہمیت دو' یہ سب کسی بھی ضابطہ اخلاق کی رو سے درست نہیں۔ مگر وہ اتنے سب کچھ پر اپنے شگفتہ باتوں کو ہوا میں اڑا دیتی پھر ادا سے کہتی۔

"کیا ہے یار' تم میری دوست ہو' ناصح کیوں بن جاتی ہو اب میں اس معاملے میں کیا کروں کو جو میرا دل ان کی طرف کھنچتا ہے۔ حسنا! یقین کرو وہ میرے آئیڈیل ہیں اور آئیڈیل بہت مشکل سے ملا کرتا ہے جسے میں کھونا نہیں چاہتی۔" حسنا سن کر کڑھتیں پھر اک دن رعنا ان کے پاس آئی تو بالکل بے حال سی تھی۔

"کیا ہوا رعنا؟" انہوں نے گھبرا کر اسے تھام لیا مگر اس کی ساکت آنکھوں میں تو آنسو تک جم چکے تھے۔

"رعنا کیا ہوا پلیز بتاؤ تم ٹھیک تو ہو؟" رعنا نے آخری جملے پر اثبات میں سر ہلایا لیکن گلے سے لگی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی' پھر کچھ ابال کم ہوا تو چلانے والے انداز میں بولی۔

"بکواس ہے سب آئیڈیل وائیڈیل' ہر انسان اندر سے بہت کمزور' بہت بھدا ہوتا ہے کوئی سامنے نہتا ہے اور کوئی تمام عمر ماسک لگائے دوسروں کو فریب دیتا رہتا ہے' حسنا یہ آئیڈیل کیا واقعی میں بکواس ہوتے

ہیں؟" وہ یقین دلانے تلی تھی اطلاع دینے مگر خبر کی طرح خود تشکیک میں جتا دکھائی دینے لگی۔ عینا نے کیفیت دیکھی تو قریب کرلیا اسے پھر پوچھا۔

"آخر ہوا کیا؟ کس نے ہرٹ کیا تمہیں؟"

"کسی نے نہیں کچھ نہیں ہوا میرے ساتھ' بس ایک خواب ٹوٹ گیا ایک بت پاش پاش ہوگیا عینا۔" وہ پھر سے رونے لگی۔ عینا پوچھتی رہی مگر وہ کچھ بتانے پر تیار نہیں تھی۔

پھر پتا نہیں کیا ہوا کیسے ہوا کہ رعنا کو بن لگ گئی' ساری میڈیکل ہار گئی اور ایک دن وہ چپکے سے زندگی کو خیرباد کہہ گئی۔ بات واضح تو نہیں تھی لیکن رعنا کی وصیت میں ملنے والی ڈائری سے انہیں اس کا علم ہونے میں دیر نہ لگی۔ سو تب سے اب تک وہ سلیمان عیسیٰ کی شدید مخالف رہی تھیں' لیکن جب انہوں نے دیکھا اس گھر کے تین اہم رکن ان کے دیوانے ہیں تو انہوں نے اپنی یہ نفرت دل کے نہاں خانے میں چھپالی اور آج برسوں بعد سلیمان عیسیٰ کی نوازش تھی تو تمام تر نفرت کے باوجود سوچنے پر مجبور تھیں کہ سلیمان عیسیٰ کا دلکش لہجہ' رعب و دبدبہ کسی بھی شخص کو مطیع کرسکتا ہے جیسے چند لمحوں ہی کے لیے وہ بھی ہوگئی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دل میں یہ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ راحیل کو اس شخص کے سحر میں ڈوبنے نہیں دیں گی' ایسے کہ پھر کوشش کے باوجود اسے پانہ سکیں جیسے رعنا کو انہوں نے کھو دیا تھا۔ نہیں چاہتی تھیں کہ راحیل کو بھی کھو دیں اور ملک سے باہر خود ساختہ جلاوطنی گزارنے والے منصور توحید کھونے سے انہیں دیکھیں' اپنی آنکھوں سے جب رعنا کے بارے میں انہیں پتا چلا تھا کہ وہ سلیمان عیسیٰ کو اس قدر خاموشی سے چاہنے لگی ہیں کہ تمام عمر صرف اس کو آئیڈیل بنا کر اس کے نام پر زندگی گزار دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتیں اور اس معاملے میں وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں کرتیں۔ منصور توحید کے نام کو بھی ٹھکرا سکتی ہیں اور پھر وہ لمحات بھی کیسے یادداشت سے محو ہوسکتے تھے جب شخص اپنے محبوب کی انا اور محبت میں ایک شخص نے سارا ضبط آنکھوں میں جذب کرلیا تھا۔ انتظار دل میں پھانس کی چبھن کی طرح محسوس کیا تھا۔ ہجر کا سم رگوں میں دوڑتے ہوئے دیکھا مگر پھر بھی متوازن انداز میں عینا کے ذریعے ہی رعنا کے گھر والوں کو منگنی کی انگوٹھی لوٹادی تھی' صرف یہ کہہ کر کہ اب ان کی چاہت بدل گئی ہے۔ رعنا کی صورت میں انہیں کوئی چارم نہیں دکھائی دیتا' اس لیے نہیں چاہتے وہ کہ اس رشتے کو پاؤں کی زنجیر بنائے رکھیں' سو یہ پیغام سن کر رعنا کے گھر والوں' اس کے سگے چچا نے اس معاملے میں اسے کیسے لعن طعن نہ کیا تھا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ رعنا کے معاملے میں عینا کو بھی گھر بٹھالیتے لیکن ایسے موقع پر چچا جان نے نہایت دانش مندی کا ثبوت دیا۔ اپنی یتیم بھتیجی کا گھر اجڑنے سے بچالیا اس فیصلے کو قسمت کا لکھا سمجھ کر مان لیا مگر ان کے اپنے دل میں یہ واقعہ ایسا ثبت تھا کہ وہ عرصے تک زندگی کو انجوائے نہ کرسکیں' پھر رعنا کی موت نے تو انہیں اور پاگل کردیا تھا لیکن ایسے میں وامق' رشید اور راحیل نے انہیں اخلاقی سہارا دیا۔ ہمت حوصلہ دیا' وہ تو اب چچا جان کے گھر جاتے ہوئے بھی جھجکتی تھیں لیکن چچا جان خود ہی کبھی کبھی فون کرکے انہیں بلواتیں تو ان کے درمیان گھنٹوں ہونے والی باتوں کا ہر سرا رعنا کی ذات پر جاکر ٹھہر جاتا۔ رعنا کے ذکر سے ہر خواب شروع ہوتا اور ہر عذاب اس کی موت پر جاکر سرنگوں ہوجاتا۔ اس لیے انہوں نے سوچا تھا وہ اب مزید اس گھر کو سلیمان عیسیٰ کے نام کا کوئی دکھ نہ پہنچنے دیں گی۔ کتنے عرصے بعد تو اس گھر میں زندگی ہلکورے لینے لگی تھی اور وہ چاہتی تھیں کہ یہ زندگی یونہی رواں دواں رہے کسی بھی حادثے کا شکار نہ ہو۔

"عینا۔۔۔؟ کیا سوچ رہی ہو کہ میری آمد کی خبر بھی نہ ہوئی؟" وامق کی آواز میں تعجب ہی سنائی دی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ارے آپ آگئے مجھے واقعی آج احساس ہی نہ ہوا وقت گزرنے کا۔" وہ انہیں تو جانے جانے وامق نے ہاتھ تھام لیا۔

میں نے آج سے پہلے تو بات نہیں بھائی
جس نے تمہیں اس قدر متفکر کر دیا کہ دنیا و دیں کا بھی ہوش نہ رہا۔"

"کوئی خاص بات نہیں تھی بس ویسے ہی راحیل کی وجہ سے پریشان تھی۔"

"کیوں خیریت' کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں' یونہی۔ منصور بھائی یاد آ رہے تھے۔ ویسے واثق آج راحیل بھی بہت مس کر رہا تھا انہیں' آپ منصور بھیا سے کہتے کیوں نہیں ہیں کہ اب تو وہ اس دوری کو ختم کر ہی دیں' آخر کیا ملے گا اس طرح انہیں یا ہمیں ان سے دور رہ کر؟"

واثق نے کچھ نہ کہا' دولے سے صرف اثبات میں سر ہلانے کے بعد وہ راحیل کے بیڈ روم میں پہنچے تو آہستگی سے بولے۔

"غسنا بتا رہی تھیں آج تم روئے تھے۔"

"نہیں' یہ بھائی کو الہام کب سے ہونے لگا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہی کہ بہت خاموشی سے یہ کام انجام دیا تھا زمانے کو کیسے خبر ہو گئی؟"

"صرف ایسے کہ زمانہ صرف تم سے ہے تمہیں نہ دیکھیں گے تمہاری خبر نہ رکھیں گے تو ہمارا مقصد ہی کیا رہ جاتا ہے۔"

"ارے واہ آپ تو بہت اچھے افسانہ نگار بن سکتے ہیں۔"

"بکو مت' یہ افسانہ نگاری نہیں حقیقت ہے پر محبت تھی' اچھا بناؤ اسے یہ بتاؤ آج منصور بھیا اتنے یاد کیوں آئے تمہیں کیا کچھ کمی رہ گئی ہے ہمارے پیار میں؟"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں' بس وہ سب میں بڑے ہیں ملی اور پھر ہمیشہ بیماری میں وہ اتنی مزے کی تیمارداری کرتے تھے کہ ان کی یاد آنا فطری بات تھی' بیماری میں انسان اللہ کو یاد کرتا ہے یا ماں کو سو مانی بھیا نے چونکہ مجھے ماں باپ بن کر پالا ہے تو اس کا تقاضا یہی تھا۔"

لیے تو تم ٹھیک ہو چلو شام کو فون کر لیں گے بھیا کو' غسنا بھی انہیں بہت مس کر رہی ہے۔ تم رو رو کر کہنا اب واقعی ان کی دوری برداشت نہیں ہوتی بس کہنا کہ اب فوراً آ جائیں۔"

"لو کے' یہ حکم سر آنکھوں پر۔" راحیل نے مان لینے کے انداز میں کہا۔ یہاں تک کہ کھانا خوشگوار انداز میں کھایا گیا پھر ۲ بجے وہ سب کال بک کروا کر مووی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کافی پی رہے تھے کہ اچانک فون بیل بج اٹھی۔ ریسیور غسنا بھابی نے اٹھایا پھر چلا پڑیں۔ "ارے مانی بھیا آپ اس قدر اچانک بائی گاڈ ہم ابھی آپ کو فون کرنے ہی والے تھے۔" دوسری طرف یقیناً منصور تو حید ہی تھے اور سب سے پہلے راحیل ہی سے بات کرنا چاہتے تھے۔ راحیل نے سنا تو ریسیور تھام لیا۔ پھر بے تابی سے بولا۔ "جی میں ٹھیک ہوں۔" لمحہ بھر کو رکا پھر بھرائے لہجے میں بولا۔ "نہیں فی الحال تو ٹھیک ہوں معمولی سا ٹمپریچر چل رہا ہے' نہیں ایسی بات تو نہیں لیکن اگر آپ چاہتے ہیں یہ بیماری نارمل ہی رہے تو پلیز لوٹ آیئے' نہیں اب میں فریب میں نہیں آؤں گا' بس آپ آ جائیں ورنہ پھر دیکھئے گا سخت بیمار پڑ جاؤں گا۔ تو کیا ہوا پہلے دھمکی دینے کا مطلب یہ ہے کہ آیندہ بھی نہیں دی جا سکتی' ویسے یہ دھمکی نہیں ارادہ ہے اور آپ جانتے ہیں میں اپنی بات کا ایک ہوں' ٹھیک ہے بات کیجئے۔" ریسیور اس نے رشید بھیا کی طرف بڑھا دیا' باری باری تینوں نے بات کی اور اس کی خواہش کا اعادہ کیا۔ اتنے جامع انداز میں اتنی قطعیت سے کہ منصور بھی ڈگمگا گئے ہوں گے' تمام عمر جس بات پر قائم رہنا چاہتے تھے اس میں دراڑیں پڑنے لگیں۔

پھر اس فون کے بعد تیسرا دن تھا جب راحیل یونیورسٹی سے گھر لوٹا تو ڈرائنگ روم میں جس شخص کو صوفے پر بیٹھا دیکھا وہ تو اس کی ہر دعا ہر خواب کا اولین حصہ تھا۔

"مانی بھیا آپ! مجھے یقین نہیں آتا کہ تمنائیں اتنی جلدی بھی پوری ہو سکتی ہیں۔" وہ بے ساختہ ان کی

مکمل پانیوں میں سما گیا، کتنی ہی دیر ان کے وجود میں اپنی محبتیں جذب کرتا اور ان کے طویل جوگ کو خود میں اتارتا رہا۔ ان کی آنکھ کے آنسو بھی اپنی آنکھ سے بہاتا رہا طبیعت کا بوجھ کم ہوا تو بھرپور ہنس کر انہیں دیکھنے لگا۔

"آپ آئے کب اور مجھے فون کرکے کیوں نہ بتایا؟" وہ ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر پوچھنے لگا تو بینا بھابی مسکرائیں۔

"لالی بھیا! ہم سب کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ رشید بھائی اور واثق کو بھی فون نہیں کرنے دیا۔"

"واہ بھیا یہ اچھی رہی۔" وہ انداز سے بولا۔

پھر شام کو دونوں لوٹے تو ان کا ردعمل اس سے مختلف نہیں تھا۔ دونوں بھائی کے گلے کا ہار ہوتے ہوئے شکوے شکایت کی ایک لمبی فہرست پیش کررہے تھے جس کا منصور کو سامنا تھا مگر وہ پھر بھی بڑے کھلے دل، دلداری سے ہر شکوے کو دور کررہے تھے۔

بڑے بھیا کی آمد سے بہت جلد ٹھیک ہوگیا تو تیسرے دن سے یونیورسٹی جوائن کرلی۔ فہد اس کے ہمراہ تھا اور وہ صرف سر سلیمان عیسیٰ کے اردگرد گھومتا رہا۔ کارڈ ابھی تک اس کی جیب میں تھا لیکن کبھی جانے کی ہمت ہی نہ بندھی۔ سر سلیمان عیسیٰ اس کی وارفتگی دیکھتے تو محجوب ہوجاتے۔ ان کے لیکچر سنتے تو تحسین ان کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی تھی یہاں تک کہ فرسٹ سمسٹر پر سیاسیات میں اچھے نمبرز لینے پر انہوں نے پوری کلاس کو اپنے گھر مدعو کیا۔ اس نے سنا تو پھولے نہ سمایا۔ بھرپور ڈریس ہوکر بائیک پر اڑا اڑا سر سلیمان عیسیٰ کے دیے گئے پتے پر روانہ ہوگیا۔ فہد اس کے پیچھے بیٹھا اس کے بے انداز میں ان کی شخصیت، ان کے گھر کا نقشہ کھینچ رہا تھا لیکن جب بائیک ان کی رہائش گاہ پر جاکر رکی تو دونوں کی تیز تیز سانسیں اس کے سینے سے آزاد ہوکر فضا میں بکھر گئیں۔ نظریں اس گھر پر جم گئیں۔ سفید سنگ مرمر سے تراشیدہ چھوٹا سا محل تھا جہاں ان کا ان کے جیسے سیکڑوں افراد کے دلوں پر راج کرنے والا شخص رہائش پذیر تھا۔

"واہ، سر واقعی اس قسم کی رہائش کے اہل تھے یہ ان کے شایان شان ہے۔ ویسے فہد یہ گھر خوش قسمت ہے یار سر سلیمان عیسیٰ یہاں رہتے ہیں؟" فہد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"سفید سنگ مرمر کا یہ گھر صرف اس لیے خوبصورتی کا مرقع ہے کہ یہاں سر رہتے ہیں یہ ان کی ذات ہی سے سجا سجا لگ رہا ہے ورنہ خود سنگ مرمر کا کیا حسن۔"

"ونڈر فل فہد، یو آر رائٹ۔" اس نے ہنس کر اس کی تائید پر مہر تصدیق ثبت کی پھر تقریب کے لیے سجے ڈیکوریٹ کیے ہال میں پہنچے تو اکثر کلاس فیلوز پہلے سے موجود تھے۔ لڑکے لڑکیاں سب اپنے ذہین و فطین پروفیسر اور ماہر سیاسیات، ملک کے عظیم سپوت کے ایک اشارے پر سر جھکانے کا سا انداز اپنائے ٹکڑیوں میں بٹے باتوں میں مصروف تھے۔ فہد اور وہ ایک کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئے۔ پانچ منٹ نہ گزرے تھے کہ سر سلیمان عیسیٰ اپنی ساحرانہ پرسنالٹی کو نفیس بیش قیمت لباس اور بے نیازانہ انداز سے مزید ساحر بنائے ان کے سامنے چلے آئے۔ راحیل کی آنکھیں ان کی شخصیت سے ٹکرا ٹکرا کر خیرہ ہورہی تھیں اور دل چاہ رہا تھا کہ کاش وہ ان جیسا بن سکے۔ کتنی نگاہوں کے حصار میں تھے پروفیسر سلیمان عیسیٰ۔ وہ مبہوت ہوکر رہ گیا تھا جب اچانک وہ ہنستے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔

"او ینگ مین کیسے ہو تم، یقین کرو یہ آج کی شام صرف تمہاری ذہانت کے نام سے سجائی گئی ہے۔ مجھے واقعی تم میں ایک نامور شخص کی جھلکیں ابھی سے محسوس ہورہی ہیں۔ تم یقیناً میرے لیے ہی نہیں اس ملک کے لیے بھی انمول خزانہ ہو۔"

"پلیز سر اس قدر تعریف، یقین کیجیے آپ کا مجھے یہاں خصوصی مدعو کرنا ہی میرے لیے بہت عزت افزائی کا باعث ہے۔ چہ جائیکہ آپ اتنے واضح انداز میں اپنے قیمتی الفاظ صرف کررہے ہیں۔ سر میں اس قابل نہیں۔"

"اور یونانی ڈیئر تم خود در اصل نہیں جانتے کہ تم کس قدر قابل فخر ہو' ویسے مجھے تمہاری اپروچ ذہن کی وسعت بہت متاثر کرتی ہے۔" لمحہ بھر کو رک کے پھر بولے۔ "تمہیں پتا ہے میری زندگی کا ایک مقصد' ایک مشن ہے۔ لیکن اپنے مشن سے پہلے میں تمہیں بتادوں کہ شخص اس پر میں پیپر ورک کے علاوہ ابھی تک خاطر خواہ کام اس لیے نہیں کرسکا کیوں کہ مجھے اپنی ذہنی سطح کے مطابق کوئی شخص متاثر نہیں کرسکا' لیکن تم اور فہد دونوں میں سمجھ لینے کی اور عمل کرنے کی صلاحیت اوروں سے زیادہ ہے' شاید یہی وجہ ہے کہ اب میں چاہنے لگا ہوں کہ میں جو سوچتا تھا اسے اب اس خطہ ارض پاک پر عملی شکل میں وقوع ہوجانا چاہیے۔"

"یعنی سر؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"کچھ سمجھنے سے پیشتر تم یہ بتاؤ تم میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو بلکہ دیگر طلبہ میرے لیے کیا سوچتے ہیں؟"

"صرف اتنا ہی سر کہ جس مقام پر آپ ہیں وہاں آپ اسی وقار کے ساتھ اچھے لگتے ہیں لیکن آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ آپ اپنے قریبی لوگوں کے لیے نہایت شفیق ہوں گے' مزید یہ کہ آپ اول تو کسی کو قریب نہیں کرتے' لیکن جسے قریب کرلیں اس کے لیے وجہ افتخار و راحت رہتے ہوں گے اور یہ کہ دیگر اساتذہ کے ڈھکے چھپے آپ کی شخصیت پر غلط ریمارکس کے باوجود یونیورسٹی کی اکثریت آپ کو آئیڈیل کی طرح پوجتی ہے۔"

"ایک منٹ راحیل' یہ ذرا اس بات کی وضاحت کرو' باقی اساتذہ کس قسم کے ریمارکس دیتے ہیں میرے بارے میں؟"

"کوئی خاص بات نہیں کہتے سر بس وہی عام سی پروفیشنل جیلسی کا شکار ہوکر سمجھتے ہیں اس طرح کوئی بہت بڑا معرکہ مارا جاسکتا ہے لیکن سر ہم سب نوجوان آپ کے اسٹوڈنٹ ہی نہیں فین بھی ہیں اس لیے کسی بات کا اثر نہیں لیتے۔"

"ٹھیک ہے یہ تو میرے لیے اعزاز ہی نہیں وجہ اطمینان بھی ہے لیکن پلیز راحیل تم یہ بتاؤ آخر وہ کہتے کیا ہیں؟"

"صرف یہی سر کہ آپ اپنی ذہانت کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی کہ آپ اس سرزمین کے خیر خواہ نہیں' بنیاد اس کی یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ نے بچپن سے لے کر جوانی کا طویل عرصہ یورپ میں گزارا ہے مگر سر اعتراض اٹھانے والے اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ کسی کی حب الوطنی پر شک کرنے سے پہلے اس بات کو واضح کریں کہ کوئی شخص اگر اعلیٰ مراعات' شہرت کو اپنی سرزمین کے مقابلے میں ہیچ سمجھ کر ملک کو فوقیت دے تو اس کے کھرے پن کی یہ اعلیٰ اور اولین دلیل ہے مگر سر ہمارے ملک میں بس اعتراضات ہی اٹھائے جاتے ہیں جو اس ملک کا درد رکھتا ہے لوگ اس پر ایسے ہی بے بنیاد الزامات لگاتے ہیں' اہم تو یہ ہے کہ ہمیں نچلی سطح پر کتنی پذیرائی حاصل ہے اور سر! یہ وقت کی بہت بڑی سچائی ہے اس وقت آپ اپنے فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ اپنی ذہانت کے بل پر سب میں ممتاز اور سب سے زیادہ چاہے جانے والی شخصیت ہیں اور۔۔۔۔"

"اور یہ کہ راحیل میں نے رائے پوچھی تھی تم سے' تم نے تو پورا قصیدہ ہی سنا ڈالا۔ ویسے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے لیڈر بھی ہو' ایک بات کہوں تمہاری باتوں میں یقین کا عنصر اتنا زیادہ ہے کہ میں جو کبھی تعریف پر یقین نہ رکھنے والا شخص تھا تم سے اختلاف کرنے کا کوئی پوائنٹ نہیں رکھتا۔"

"یہ تو آپ کی بڑائی ہے سر ورنہ آپ کہاں اور میں کہاں' میں تو آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں۔"

"یہ کسر نفسی کی انتہا ہے' ویسے کل سے یونیورسٹی کی فاسٹ پیریڈ میں' میں تم سے اس موجودہ بات پر ضرور ڈس کس کرنا چاہوں گا۔" وہ بات کے ختم ہوتے ہی اٹھ کر تقریب میں شامل ہوگئے۔

اور پھر تیسرے دن سے وہ فارغ وقت پر پروفیسر

گزرنے لگا تھا۔ اس
سلیمان عیسیٰ کے خصوصی چیمبر میں
کا دم ساز و ہم نوا تھا اس لیے سر سلیمان عیسیٰ کا پیغام
پھیلانے میں کسی قسم کی دقت نہ پیش آئی۔ وہ پہلے صرف
نیک عمل پر توجہ دیتے تھے مگر اب ان کی سوچ میں
نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ وہ ارسٹوکریٹ انگلش میں
گفتگو کرتے اشخاص سے ہٹ کر طبقہ عالیہ سے نیچے
آکر سر جھکائے کلام کرتے اپنے غریب عوام کے لیے
کچھ کر دینا چاہتے تھے۔ صرف اس لیے کہ اس طبقہ
نے ہمیشہ ان کے ہر اچھے عمل کو بہت زیادہ اپری شیئٹ
کیا تھا۔ نہ صرف قلمی طور پر ملی طور پر بلکہ مالی طور پر
بھی ان کے ہر پروجیکٹ میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔ اس لیے
انہیں یہ زعم تھا کہ اگر وہ لوگوں کی اس نئی سوچ میں ان
کی چوائس نہ بھی بن سکے تب بھی برسوں صرف اس
لیے مسرور رہیں گے کہ اس ملک کے عوام کسی نہ کسی
حوالے سے انہیں چاہتے رہے ہیں۔ سو تبدیلی کا یہ
عمل دھیرے دھیرے جاری و ساری رہا۔

راحیل ہر روز کی روداد گھر میں ہر ایک سے شیئر
کرتا تھا اس لیے آج وہ ایک نئی یونیورسٹی کا پلان ڈس
کس کر کے گھر آیا تو بہت مسرور تھا۔ پروفیسر سلیمان
عیسیٰ کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آتے ہی اس نے ایک
ایک بات واثق بھیا، رشید بھیا اور منصور توحید کے
سامنے دہرا دی، منصور توحید اس کی دیوانگی پر ہنستے رہے
اور عینا بھابی کی جان ان ہی میں اٹکی رہی کہ کہیں وہ
اتنی وارفتگی سے گھبرا کر چاہنے پڑیں اپنے پرانے دکھ
میں ڈوب نہ جائیں جس سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔
سوائے عینا واثق کے منصور بھائی بھی اس کی کیفیت
بھانپ رہے تھے اس لیے حتی المقدور خود کو سنبھالے
رہے پھر کھانے کے بعد اٹھے تو کمرے میں آکر بیڈ پر
بے شمار تصاویر بکھرا کر بیٹھ گئے۔ جو خود ان کی کھینچی
ہوئی تھیں۔ صرف اس لیے کہ تصویر میں موجود
شخصیت رعنا کی پسند تھی اور خود رعنا ان کی۔ سو اب وہ
نہیں تھی لیکن وہ رعنا کی ہر پسند و ناپسند کو ازبر کیے
جیون بتاتے چلے جارہے تھے خاموشی سے راکھ ہوتے
ہوئے بھی اپنے رقیب کو صرف اس لیے تکریم دے
رہے تھے کہ وہ رعنا کے معبد دل میں سب سے اونچے
مقام پر براجمان تھا۔

"سلیمان عیسیٰ تم واقعی بہت خوش قسمت ہو کہ
وہ آنکھیں بجھ بھی گئیں لیکن یہ وہ آنکھیں تمہیں
محض اس لیے خود میں جذب کرتی چلی جارہی ہیں کہ
بجھنے والی آنکھوں کی بینائی ان آنکھوں پر قرض ہے
لیکن شاید تم اس کلیے اس نئے خیال کو سمجھ ہی نہیں
سکتے بلکہ ہر وہ شخص نہیں سمجھ سکتا جو محبت کو ایسی
بے مصرف گردانتا ہے۔"

"مانی بھیا چائے پئیں گے؟" عینا بھابی نے
دروازے سے ہی جھکتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے نفی
میں سر ہلا دیا۔ عینا بھابی نے موڈ دلگرفتہ پایا تو کمرے
میں چلی آئیں۔ سلیمان عیسیٰ کی تصویریں دیکھیں تو تحیر
خیز انداز میں ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھ گئیں۔

"مانی بھیا یہ کیا؟ آپ ابھی تک اس سحر سے نہیں
نکلے؟"

منصور نے سوال پر سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر تھکے
تھکے انداز میں بولے۔ "تمہیں کیا لگتا ہے، یہ سحر
ٹوٹنے والا ہے۔ زندگی سے بڑھ کر سر چڑھ کر بولنے والا
جادو کوئی نہیں۔ تم ہی بتاؤ وہ آزاد ہو بھی جائے تو کیا
کرے؟"

"کاش مانی بھیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی۔
آپ کے دکھوں کا مداوا میرے بس میں ہوتا تو
میں۔۔۔"

"بھول جاؤ عینا بعض دکھ اپنا مداوا خود ہوتے ہیں
اس لیے کسی اور مداوے کا خیال بھلا دو، یہ محبت، یہ دکھ
اب میری توانائی ہے، زندگی کا محور ہے، تمہیں پتا ہے
عینا! اگر میرے پاس یہ متاع بھی نہ رہے تو میں لمحے
لمحے جی بھی نہ سکوں۔"

"مگر مانی بھیا میں بلکہ ہم سب تو آپ کو بہت
طویل عرصہ تک جیتے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"پھر اس کا تذکرہ چھوڑ دو کہ یہ جنون تھا اور کیسے اسیر
کر لینے کا گر جان گیا، یا اس کے منتر سے بڑی بڑی
زندگیاں پتھر ہو گئیں اور پتھر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں ملا

مینا بھابی نے اثبات میں سر ہلا کر مان لینے والے انداز میں انہیں دیکھا لیکن راحیل نہ ماننے والے انداز میں کمرے میں در آیا تو ایک شور مچ گیا۔ وہ تو دیوانوں کی طرح تصویروں کو چھوتا تھا پھر اس سے خوشی میں بات بھی نہیں ہو رہی تھی لیکن وہ پھر بھی بول رہا تھا۔

"او ماما بھیا! اتنا بڑا سرپرائز یک لخت ہمارے سر کی اتنی ساری تصاویر وہ بھی ذاتی کھینچی ہوئیں' وا تنے منصب کے لگ رہے ہیں' یہاں سر۔ مالی بھیا یہ تصویریں مجھے دے دیجیے' دیکھیے نا آپ تو جانتے ہیں کہ مجھے سلیمان صاحب کس قدر پسند ہیں۔" منصور نے سکوت سے اس کے چہرے پر بکھرے جذباتیت' وارفتگی کو دیکھا' کتنا کچھ اور چاہتے تھے لیکن بولے تو صرف اس قدر۔ "لے لو یہ میں تمہارے ہی لیے لایا تھا۔ درحقیقت انہیں تمہارے پاس ہی ہونا چاہیے' مجھ سے زیادہ تم ان کے حق دار ہو' سنبھال کر رکھ سکتے ہو۔" تمام تصویریں اکٹھی کر کے اس کے ہاتھ میں تھمادیں اور راحیل کو اچانک اس فیصلے پر یقین نہ آیا۔

"واقعی لے جاؤں مالی بھیا' آپ ہرٹ تو نہیں ہوں گے؟"

"نہیں میری جان' لے جاؤ سلیمان عیسیٰ تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں' تم خوش رہو یہی میری تمنا ہے۔"

"تھینک یو بھیا جی۔۔۔ مجھے الفاظ نہیں سوجھ رہے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے۔"

"نہ۔ میں کہتا ہوں شکریہ محبت کرنے والے کہتے ہی نہیں' بس دل میں محبت دیتے ہیں۔"

"بڑے لوگوں کا ایک یہ بات۔" وہ ان کے ہاتھ چوم کر بے پایاں خوشی سمیٹے باہر چل دیا۔

مینا بھابی نے تاسف سے دیکھا۔ منصور بھیا انہیں دلاسا دینے والے انداز میں دیکھ کر رہ گئے۔ ان کے لیے کچھ بھی نہیں اور وہ بہت خوش تھا اس لیے مسلسل فد سے فون پر باتیں کیے جارہا تھا' پلان ڈس کس کررہا تھا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو کمرے میں آکر ایک ایک تصویر دیکھنے میں لگ گیا۔ اس کی الماری کا ایک حصہ صرف سلیمان عیسیٰ کی تصاویری البم کے لیے مختص تھا اس لیے اس نے تمام تصویریں نئے البم میں لگائیں' پھر آرام دہ حالت میں لیٹا تو اردگرد سلیمان عیسیٰ کی مدھم مگر پراثر آواز ہلکورے لینے لگی۔

یونیورسٹی میں وہ سلیمان عیسیٰ کا پیغام پھیلا رہا تھا۔ یہ اور بات کہ اس کا پیغام ہا جت کے پہلے ہی سے تسلیم شدہ تھا کیوں کہ سلیمان عیسیٰ پسندیدگی میں ناقابل شکست اور بہترین مینڈیٹ رکھتے تھے۔ سب ان کے حامی تھے' یوں سلیمان عیسیٰ کو اپنا یہ کردار ادا کرنے میں قطعاً "دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ کچھ لوگ جو پہلے دبے دبے لفظوں میں ان کی مخالفت کرتے تھے اب برملا انہیں بک بک کہنے لگے تھے۔ کچھ نے تو انہیں پکھر تک کہہ ڈالا تھا اور وہ برملا کہتے تھے۔ "میں سلیمان عیسیٰ بکھرا ہوا ہوں میں جس نے ہمیشہ اپنے وطن کی عظمت کے دفاع کے لیے اپنی ذاتی تکالیف کو یاد نہ رکھا' میں بکھرا ہوں گا جس نے ہمیشہ خریدنے والے ہاتھوں کو ناکام لوٹا دیا صرف اس لیے کہ یہ ملک ہی میری کل اساس و متاع ہے۔" راحیل نے بیان پڑھا' ساتواں کی حمایت میں دن رات ایک کردیا۔ یہاں تک کہ ان کی کمپین مربوط بنیادوں پر چلنے لگی۔ ان کا پہلا مشن ایک یونیورسٹی کا قیام طے پایا تھا لیکن اس کے لیے بے تحاشا رقم درکار تھی' اس لیے راحیل نے تجویز پیش کی چندہ حاصل کرنے کی مہم چلانے کی' سر سلیمان عیسیٰ لمحہ بھر کے لیے تو اس تجویز پر جز بز ہوگئے بقول ان کے بہت آکورڈ لگے گا۔ وہ ہاتھ پھیلائیں لیکن فد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"سر! نیک کام میں ہاتھ پھیلانے سے خالی ہاتھ بھی نیکیوں سے بھر جاتے ہیں' چندہ نہ سہی دعائیں بھی مل گئیں تو یہی ہمارے لیے آگے بڑھنے کا رستہ ثابت ہوں گی۔"

سر سلیمان عیسیٰ نے بات سمجھی تو مان بھی لی۔ یوں چندہ مہم کا آغاز امراء سے زیادہ غریب لوگوں نے ان کا خالی ہاتھ خالی نہ لوٹنے دیا۔ سو وہ راحیل سے جب بھی

پہنچایا اس کے بجائے بھی بت بن کر کھڑے رہ گئے لیکن راحیل تو پہلی سیڑھی پر ہی ساکت بت بن گیا تھا اور ایسے ہی اس کے دل میں تمنا جاگی تھی کاش وہ یہاں نہ آیا ہوتا۔ آیا ہوتا تو یہ سب سنا نہ ہوتا' ایک دل میں یہ بھی آیا کہ جو سن چکا ہے اس پر فوراً" جاکر بحث کر ڈالے اور پوچھے۔ "سر' میرے لوگوں نے آپ کی محبت کا جواب محبت سے دینے میں کہاں کوتاہی کی کہ آپ کو اس نام نہاد فوبیا کی ضرورت پڑی' یا یہ کہ کیا محبت کو کسی فوبیا' کسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو آپ نے ایسا چاہا' محبت تو دو طرفہ ہوتی ہے' یا نہیں ہوتی' تیسری تو کوئی راہ ہی نہیں اس سفر میں' اور ان کے لیے تو یہ پوری سچائی سے ہو گئی تھی' کتنے معصوم دل' کتنے نازک' کتنے تھکے ہارے دل ان کے لیے دعا گو ان کی باتوں کو حرف آخر سمجھنے والے تھے۔ وہ خود بھی تو کل تک بڑے فخر سے کہتا تھا۔

"سر سلیمان عیسیٰ دا گریٹ۔۔۔۔ مور گریٹ"

مگر یہاں چہرے سے ماسک کتنی جلدی اتر گیا تھا۔

وہ سوچتے ہوئے گزرتے ہوئے وہیں سے واپس لوٹ گیا۔ کتنی دیر سڑکوں پر سرگشت کرتا رہا' آنسو غم کی انتہاؤں پر تھے اس لیے بہنے کی حاجت کے باوجود تھم گئے تھے' دل میں آہ و فغاں کا ایک بحر بے کراں تھا جو دل کی دیوار میں شگاف ڈالنے کو لحہ بہ لحہ کمربستہ تھا مگر دل کے گرد درد کا احساس ہونے کے باوجود وہ چلا نہیں پایا۔ شاید وہ ڈرتا تھا کہ اگر یہ روپ اس نے سب کے سامنے عیاں کردیا تو اس کے ایک دل کے علاوہ کتنے دلوں کے چھناکے ہوں گے کتنے چہروں پر دراڑیں پڑجائیں گی۔ اعتبار یقین اٹھ گیا تو باقی بچے گا ہی کیا۔ نہیں یہ کسی کو نہیں پتا چلنا چاہیے کہ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی کتنا بھاری سچ اپنے دل پر بار کرلیا ہے۔

وہ حتمی فیصلہ کرکے گھر لوٹا تو اس کے قدم خود بخود حسنا بھابی کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت وہ گھر میں اکیلی تھیں اس لیے وہ پوری توجہ پا سکتا تھا۔

"بھابی! ایک بات پوچھوں؟" وہ ایسے اندر داخل ہوا جیسے کسی کارواں کو ساربانوں نے لوٹ لیا ہو' مگر اواز چہرے سے زیادہ شکستہ تھی اس لیے حسنا بھابی کے کام کرتے ہاتھ یکلخت رک گئے۔

"راحیل کیا ہوا بیٹا آر یو رائٹ؟" وہ بے قراری سے اس کے قریب چلی آئیں اور وہ ان کے قریب بیٹھنے کے بجائے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ سب کچھ ہار جانے والے تنہا مسافر جیسی حالت کی مانند۔

"کیا ہوا میری جان' کچھ بولو بھی تو۔" اس کی مسلسل خاموشی سے گھبرا کر حسنا بھابی نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھام کر بے قراری سے پوچھا اور وہ گم صم انہیں دیکھنے لگا جیسے سب کچھ ہی ختم ہو گیا ہو۔ کتنی دیر تک اس کی آنکھوں میں اپنے خلوص کو فریب دیے جانے پر دھول اڑتی رہی۔ کچھ دل قابو آیا تو وہ بولا بالکل غیر متوقع۔ "بھابی رعنا آپی کیوں مری تھیں آپ کو پتا ہے؟"

"رعنا تمہیں بتایا تو تھا اسے ٹی بی ہو گئی تھی۔"

"مگر انہیں ٹی بی ہوئی کیوں' وہ تو بڑی زندہ دل ہوتی تھیں۔ بھابی ایک عرصے تک وہ بھی تو سلیمان عیسیٰ کی فین تھیں نہیں؟"

"ہاں' مگر آج یہ سب تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"بس یونہی بھابی' پلیز بتایئے ناں رعنا آپی کیوں زندگی ہار گئیں؟"

حسنا بھابی نے کتنی دیر تک تو خود کو یہ راز کہنے سے روکے رکھا مگر اس کا اصرار بڑھتا گیا تو انہوں نے من و عن سب کچھ بتایا اور توقع رکھی کہ وہ یہ سب سن کر شدید ترین ردعمل دے گا لیکن وہ تو بس سر جھکائے بیٹھا رہا پھر نگاہیں اٹھائیں تو نہ سننے والوں کی طرح انہیں دیکھا اس کی ساکت آنکھوں میں کیا نہیں تھا' اس کا سارا وجود ایک مکمل سکوت کا اظہار ہی تو تھا۔ اندر سے کسی معبد کی طرح خالی وجود جس میں چاروں طرف آوازیں گونج رہی تھیں مگر اس شور میں کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا اور اس کی یہی خاموشی مگر چیختا سکوت انہیں پریشان کررہا تھا اس لیے وہ پھر سے پکاریں۔

فریب دے کر سلو پوائزننگ جاری ہے۔ نو آموز ذہنوں کو شروع سے برین واش کیا جا رہا ہے' ایک نئے اسلام سے روشناس کرایا جا رہا ہے۔ جس کی جڑیں نہیں ہیں ہوا میں معلق ہے' جس کا اصلی دین اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں' جتنے لڑکے لڑکیوں سے میں ملا ہوں وہ سب انٹلیکچوئل بننے کے زعم میں فلاسفر کہلانے کے چکر میں آوارہ رستوں پر چل پڑے ہیں۔ راحیل! بچو ان سے' وہ نہ تمہارے لیے بہتر ہیں نہ اس ملک کے لیے۔"

راحیل نے کچھ نہ کہا آہستگی سے بائیک کی چابی اٹھائی اور باہر نکل آیا' پھر کہیں سہ پہر کو گھر لوٹا تو عنبا بھابی نے سر سلیمان عیسیٰ کے فون سے آگاہ کیا' وہ فوراً اس سے ملنا چاہتے تھے لیکن وہ چاہ کر بھی نہ گیا۔ پھر چار دن بعد یونہی دل چاہا تو وہ ان کے گھر کی طرف از چلا گیا۔ سر سلیمان عیسیٰ ہمیشہ کی طرح اس سے گرم جوشی سے ملے تین دن نہ آنے کا شکوہ کرتے رہے' دونوں میں آنے والے انتخابات اور متوقع فیصلے کی کامیابی کے مار جن پر باتیں ہونے لگیں۔ وہ بے دلی سے شریک رہا۔ پھر مزید یہ سلسلہ جاری ہی رہتا کہ کالی سی چادر میں لپٹی ایک لڑکی ڈرائنگ روم میں در آئی' سر سلیمان عیسیٰ کا رنگ چادر دیکھتے ہی فق ہو گیا مگر وہ پھر بھی سنبھالا لیتے ہوئے بولے۔

"کیوں کس سلسلے میں ملنا ہے بی بی؟"

"اپنے سلسلے میں سر لیکن اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہاں پر کوئی غیر نہیں تم جو کہنا چاہتی ہو کہو۔" وہ بات نہیں تو راحیل خود ہی اٹھ گیا۔ سلام دعا کر کے باہر نکل آیا۔ چاہا' تجسس ہونے لگا تو پائیں باغ سے دیوار پھلانگ کر اندر کود آیا۔ اب پاس ہو ان کی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز ان کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا' سے اٹھتی آوازیں اس کی سماعتوں میں مزید زہر انڈیلنے لگیں۔ یہ مجسم چاند چہرہ' ستارہ آنکھوں والی لڑکی سر سلیمان عیسیٰ کا کیا جنتی تھا جسے وہ کبھی منظر عام پر نہیں لا سکتے تھے۔ اس وقت تو بالکل بھی نہیں جب کہ ان کی کوششوں کا لب

لباب پھل ملنے والا تھا۔ اسے خواہ مخواہ اس اجنبی لڑکی سے ہمدردی ہونے لگی۔ جس نے ماں باپ کی عزت' معاشرے کی تمام حد بندیاں توڑ دیں اور مکمل ہو کر بھی صفر کا ہندسہ بن کر رہ گئی۔ "تو لڑکی تمہیں بھی اس دکھ نے گھیر لیا لیکن میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ میں تو اپنے لیے بھی کچھ کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔" وہ آزردہ سا پلٹ آیا لیکن ڈیفنس قبرستان کے سامنے سے گزرا تو اگربتیوں کی مہک نے اس کے قدم روک لیے۔ وہ ایمان لیتا گلاب اور اگربتیاں لیے سرین قبرستان میں داخل ہوا پھر ایک قبر پر جا کر تھم گیا' لکھا تھا۔ "رعنا ملک سرور' عمر ۲۲ سال' سن ــــ" وہ پڑھنے لگا' ہاتھوں سے اس کی قبر پر گری اس کے نام کی تختی سے گرد ہٹا کر بھرائے لہجے میں بولا۔ "رعنا آپی! آپ کا دکھ میں آج سمجھا ہوں' واقعی بندے کا آئیڈیل اگر اونچائی سے قدموں تلے آگرے تو کچھ بھی نہیں بچتا۔ آپ نے برسوں میری طرح ہی کا ایک منظر دیکھا تھا ناں' لیکن ضبط نہ کر سکیں اور چپ چاپ مر گئیں۔ مگر نہ دیکھنے میں زندہ ہوں کس قدر روحانی سے لیکن رعنا آپی! یہ محبت آخر ہو کیوں جاتی ہے۔"

سر جھکا کر آنسو اندر دھکیلتا اٹھ گیا' گھر آیا شاور لے کر چائے کا کپ لینے کچن میں گیا تو عنبا بھابی نے چلتے چلتے اس کی کلائی تھام لی۔

"اس دن کیا ہوا تھا تمہیں مجھے بتاؤ گے نہیں راحیل؟" اس نے بھاپ اڑاتے کپ سمیت پلٹ کر عنبا بھابی کو دیکھا پھر اس دن کی طرح ہی غیر متوقع بولا۔

"آج میں رعنا آپی کی قبر پر گیا تھا اتنی وحیدہ بھابی کے باوجود قبر بہت شکستہ ہو گئی ہے بھابی' دراڑیں ہی دراڑیں ہیں اس پر گزرنے والے ماہ و سال کا ایک ایک نقش نم کر گیا ہے۔ رعنا آپی کے آنسوؤں کی طرح۔"

"راحیل! آج کل تم اتنا مہمل لایعنی کیوں بولنے لگے ہو؟" وہ چونک کر گھبرانے لگیں۔ اس نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"آج کل لفظوں کی قلت ہے بھابی ورنہ بولنے پر تو میں اختیاری ہوں۔"

اس سے پہلے کہ عینا بھابی مزید کوئی سوال کرتیں وہ کچن سے بھی نکلتا چلا گیا۔

پھر دوسرے دن تھا جب اندرونی صفحات پر ایک لڑکی کی خودکشی کی خبر تصویر سمیت موجود پائی۔ ہم لائن کی ایک [illegible] سی خبر جس میں خودکشی کی وجہ والدین سے ناراضی بیان کی گئی تھی لیکن یہ خودکشی سر سلیمان عیسیٰ کے ہاتھوں ہونے والے بے شمار قتلوں میں سے ایک قتل تھا۔ جس کی نہ کہیں ایف آئی آر درج کی گئی نہ مقدمہ چلا تھا اور سر سلیمان عیسیٰ باعزت بری تھے۔ خود کو سب سے زیادہ باعزت اور صادق امین شخص ثابت کرنے کی جنگ لڑ رہے تھے۔

"سر آئی ہیٹ یو' ہیٹ یو سو مچ فار ایور۔" اس نے اخبار ہاتھوں میں لے کر چرمرا دیا۔ غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا اس لیے اس نے اپنے کمرے میں موجود سر سلیمان عیسیٰ کی تصویروں سے مزین تمام البم آرٹیکل' ہاتھوں میں تھامے باہر پورچ میں ڈھیر کی صورت اکٹھے کر لیے پھر مٹی کا تیل چھڑک دیا تو کتنی دیر انہیں تھامے ساکت رہا' کتنی حسرت کتنا دکھ تھا' اس کے چہرے پر۔ اگر دکھ انسان ہوتا تو خود بھی اس کی حالت پر پھوٹ کر رو دیتا۔

"سر! جتنا سب لوٹ جاتا تھا ہم نے آج اتنی ہی نفرت کرتے ہیں آپ سے۔"

جلتی تیلی ڈھیر پر پھینک دی' شعلہ بلند ہوا اور آگ بھڑ بھڑا کر ڈھیر کو جلانے لگی۔ وہ قریب ہی بیٹھ گیا بیٹھے میں [illegible] ایک [illegible] زور دیا تھا جو خفیا [illegible] پر آمادہ تھا مگر وہ خاموش گم صم بیٹھا آگ میں اپنے آئیڈیل کو بھسم ہوتے دیکھ رہا تھا۔ اس کیفیت میں کتنی ہی دیر گزر گئی اس کے وجود نے ہلکی سی جنبش بھی نہ کی تھی اور نہ کرنے کا ارادہ تھا کہ منصور بھیا سب سے قریب سے جلدی ہی لوٹ آئے تھے اسے اس طرح ساکت بیٹھے دیکھا تو بوکھلا گئے۔

"راحیل! کیا ہوا بیٹا؟" منصور سب سے پہلے اس تک پہنچ گئے۔ اس نے یک بارگی ان کی طرف دیکھا پھر معدوم ہوتی آگ کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"جل گیا آج سب جلا دیا میں نے مانی بھیا۔"

"کیا جلا دیا؟"

"سبھی کچھ' سبھی کچھ تو' دیکھئے کچھ بھی نہیں بچا میرے پاس' میری روح تک اندر سے خالی ہو گئی ہے میں نے آج سب کچھ جلا دیا مانی بھیا۔" وہ ان کی کھلی بانہوں میں سما گیا۔ رویا اب بھی نہیں' چاروں اس کی دلجوئی میں لگ گئے۔ بنا وجہ جانے فہد بھی اندھیرے میں تھا اس لیے کچھ بتا ہی نہ سکا اور خود اسے لگا جیسے وہ بھی رعنا آپی کی طرح مر چکا ہے۔ بس زندہ ہے تو اس لیے کہ ابھی تک سخت جانی سے سانس لیے جا رہا ہے ورنہ زندوں والی کوئی بات تو نہیں رہی تھی اس میں' احتیاجات اس میں دم توڑ گئی تھیں' عینا بھابی زبردستی کھلاتیں تو کھا لیتا ورنہ بس بستر پر لیٹا چھت کو تکتا رہتا۔ منصور بھیا واثق اور رشید بھیا سمیت فہد نے منانے اس کے غم سے آشنا اسے بہلانے کی کوشش کرتے رہتے اور وہ ٹک ٹک انہیں یوں دیکھتا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو کچھ نہ بچا ہو نہ سننے کو نہ دیکھنے کو اور جو سانس ہے وہ اتنا لایعنی مشغلہ ہے کہ بوجھ سا لگتا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی جتنی اونچائی سے وہ گرا تھا شدتوں کے جس مقام پر وہ تھا عقیدتوں کا' جس قدر اس نے آنکھیں بند کرکے سفر کیا تھا اب وہاں سے لوٹتے ہوئے اس کے قدم ہی نہیں روح بھی تھک گئی تھی واپسی کا سفر تو کسی بھی سمت کسی بھی راستے کا ہو کٹھن ہی ہے اور راحیل آج کل اسی کٹھن اسی دل لہو کر دینے والی کیفیت سے گزر رہا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ بہت سارے دن گزر گئے۔ ملکی سیاست میں کسا کسی انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی محبت کا جو بیج اس نے عوام کے دلوں میں بویا تھا وہ اب تناور درخت بن گیا تھا اور یہی بات اس کے اعصاب پر بری طرح سوار تھی کہ وہ اپنی طرح ان سب کو بکھرتے دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا اس لیے بے حال تھا اور اس کی طبیعت سے گھبرا کر واثق بھیا تھے جنہوں نے سلیمان عیسیٰ کا فون اٹینڈ کیا تو اس کی کیفیت سے آگاہ کر دیا تھا شام ہی کو سلیمان عیسیٰ گھر میں موجود تھے اسی توجہ

اہلیہ بھی کیوں کہ وہ سمجھ سکتے تھے نارسائی اور ٹوٹنے کے کرب سے وہ گزرے تھے اس لیے اس کی سانسوں سے اس کا دکھ بھانپ گئے۔

پھر ایک شام اس کے کمرے میں آئے تو بولے۔

"اس وقت جس درد و کرب سے تم گزر رہے ہو اس کے لیے کوئی تسلی کوئی دلاسا نہیں میرے پاس اس لیے کہ اس غم کا کوئی مداوا نہیں لیکن راحیل انسان مرنے سے پہلے جینے کا ایک چانس تو لیتا ہے نا، بسا اوقات لوگ اپنی کشتی چھوڑ کر بیچ منجدھار میں نہیں ڈوبتے اپنے ارادے کے چپوؤں سے ساحل مراد پر آلگتے ہیں۔"

"ارادے ــــ حوصلے ــــ مانی بھیا میرے پاس کچھ نہیں ہے، میں اندر باہر سے کسی اجڑے ہوئے ساختہ معبد کی طرح ہوں جس میں محبت کا رکھا بت ٹوٹ چکا ہے جہاں عنبر و لوبان کی مہک نہیں پھیلتی صرف اشکوں کے دیپ جلتے ہیں، صرف اشکوں کے۔"

آنسو پھر بھر بھر کے آنے لگے تو منصور بھیا اس کے قریب بیٹھ گئے پھر ایک کتاب سامنے کرکے بولے۔

"اس کتاب میں ایک مضمون ہے تمہارے حسب حال، اگر سمجھ سکو تو یہ دوسری کتاب تمہارے لیے رہنمائی کے نئے در کھول دے گی۔" منہ بھر کور کے پھر اسے بیٹھنے سے اٹھا کر بولے۔ "تمہیں پتا ہے راحیل کل ۲۳ مارچ ہے اور میں ہمیشہ کی طرح یہ دن بہت دھوم دھام سے مناتا چلا ہوں گا، پلیز اپنے آپ کو تیار کرو کل کا دن بھرپور طریقے سے منانے کے لیے۔"

"۲۳ مارچ؟" اس نے لین سے جدا ہو کر انہیں دیکھا پھر ایک جھٹکا سا ہوا تو اس کا رنگ پہلے سے کہیں پھیکا پڑ گیا اور اس کے لب کانپے، "مانی بھیا ۲۳ مارچ تو سر سلیمان عیسیٰ صاحب کا بھی ڈیٹ آف برتھ ہے نہیں مانی بھیا میں اب اپنی سالگرہ بھی نہیں مناؤں گا۔" منصور بھیا نے سنا مگر رونے کی بجائے خاموشی سے باہر نکل آئے۔ وہ پھر سے بستر پر لیٹ گیا ہر طرف سر سلیمان عیسیٰ سے ملنے والا دھوکا خیمہ زن تھا بار بار ایک ہی سین ری پلے ہوتا وہ سین جس میں سر سلیمان عیسیٰ مرکزی کردار بنے غائب تھے۔ "چھ نو

مانی ڈیئر یہ لوگ تو سچوں کو قتل ہوتے ہیں جن کی بات کرنے، بڑھکیں مارنے کا کر آتا ہے۔ یہی لوگ آپ کو کاندھوں پر بٹھالیں گے محبت میں شدت پسند ہوتے ہیں یہ لوگ ایک بار آپ کو چاہنے لگیں تو آپ کی نفرت انگیز زندگی کے باب بھی ان پر کھول دیے جائیں یہ تب بھی اس کو کبھی سازش گردان کر آپ کے نام کی مالا جپتے رہیں گے ہاہاہا ــــ" قہقہے ہی قہقہے تھے اطراف میں اس کے بلکہ ہر محبت دل پر طنز کے تازیانے تھے جو ایک کے بعد ایک برسے ہی چلے جارہے تھے۔ اس کی روح دل سبھی گھائل تھا۔ جب گھبرا کر اس نے پناہ لینے کے لیے منصور بھیا کی دی گئی کتاب کی طرف ہاتھ بڑھائے، کتاب کو چھوا تو گھبرا کر ہاتھ واپس کھینچ لیے۔ اس خوف سے جو اگر یہ کتاب بھی سر سلیمان عیسیٰ کا مطمع نظر بیان کرتی۔ عثمان حکومت میں جاودانی کے کرتا پلی ہوئی ثابت ہوئی تو اس کے ٹوٹے، لٹے ایک عام سے شخص کے نام سے دل کا کیا ہوگا۔ بے شمار ساعت وہ کتاب کو یونہی دیکھتا رہا دیکھتا رہا پھر ہمت کر کے کتاب اٹھا لی، بھیا کے نشان لگے مضمون کو پڑھنے لگا، تو محسوس ہوا تو اس کے اندر ہی کا رس تھا وہی الفاظ ہے جو وہ کہنا چاہتا تھا مگر غم اور دکھ نے اس کی زبان گنگ کر دی تھی۔ دلچسپی بڑھ گئی تھی لیکن پھر کا عکس آیا تو وہ سانس لینے کو تھما آگے کیا ہوگا اس "عظیم لوگ" کے آخر میں کیا ہوگا کوئی راہ یا خالی خولی دعوے کسی نئے گورکھ دھندے کی سمت اشارہ کسی نئے فریب کے تانے بانے بنے خیالات کا ملغوبہ کیا ہوگا آگے۔ اس نے خود سے سوال کیا پھر آخری تنکا یونہی بھی بازی پر لگانے پر تیار ہو کر مضمون کو لفظوں پر مرکوز کر دیا لکھا تھا بہت سادہ بہت واضح۔

"ہماری قوم ایک مثالی عظمت اور عظیم لوگوں کی تلاش میں ہے اور یہ بڑے افسوس کی بات ہے ہم لوگ سمجھ نہیں سکتے کہ دنیا کے عظیم انسانوں میں صرف ایک یا چند صفات کی عظمت ہے اس لیے عظیم شخص کو صرف اس شعبے تک عظیم سمجھنا چاہیے جس میں اس نے عظمت حاصل کی ہو کیوں کہ مکمل عظمت اور

عظیم بلندی پر جو ذات متمکن ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ جن کی زندگی کا ہر شعبہ مثالی ہر عمل بے مثال ہے۔ جن کی ہر صفت جن کی نشست و برخاست جن کا جاگنا جن کا سونا اور جن کا بولنا، سننا، باعث تقلید ہے۔ جن کے نقش قدم پر چلنا ہی فلاح کی راہ ہے۔ ہر آدمی چاہے کتنا ہی عظیم ہو تقلید کے قابل نہیں اگر ہم ہر ایک کو قابل تقلید راہنما بناتے رہے تو قوم ایک بے جہت بے سمت سفر میں گم ہو سکتی ہے۔ اکابرین ملت کو آفتاب رسالت کی کرنیں ہی مانا جائے، بس نور ظہور سب حضور کا ہے باقی سب عظمتیں صرف دیکھنے کے لیے ہیں۔ تقلید کے لیے نہیں، تقلید صرف اس ذات کی جسے اللہ کی تائید حاصل ہے۔"

مصنف یہاں آکر چپ ہو گیا مگر راحیل کو لگا یہی تو وہ مقام تھا جہاں بے ہنگم خاموشی سکوت کو ایک نئی راہ نئی زبان ملی تھی، ایک بالکل الگ راستہ مگر بالکل ٹھیک سمت کے ساتھ اس کے سامنے تھا آئیڈیل کے ابہام کو دور کرتا ایک سچے اور اصلی آئیڈیل کی طرف اشارہ کرتا یہ مضمون اس کے اندر کے خلفشار کو کم کرنے میں معاون ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے اس نے یہ مضمون بار بار پڑھا پھر دوسری کتاب کی طرف توجہ دی۔ "سیرت النبی" کے پہلے حرف دور سے ہی جگمگا رہے تھے یوں لگ رہا تھا اس کتاب سے کوئی مسیحائی تھی جو طلسم انداز میں اس کے ٹوٹے دل پر پھائے رکھ رہی تھی، دنیاوی آئیڈیل واقعی کبھی مکمل نہیں ہوتا پرفیکٹ نہیں ہوتا اصل آئیڈیل تو یہ ہے مگر ہم نہ جانے کن گورکھ دھندوں میں پھنسے رہتے ہیں کہ سچ تک رسائی نہیں پا سکتے۔ اس نے خود کو سمجھاتے ہوئے کتاب کی طرف سارا دھیان لگایا پھر سیرت النبی کی کتب وہ ساری رات پڑھتا رہا دل سمیت روح سمیت روشن ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ مینا بھابی صبح اس کے دروازے تک آکے دستک دینے لگیں۔

"راحیل ناشتا لگ گیا ہے آجاؤ جلد۔" جملے میں ان کے بن تھا۔ مگر تکلیف کے ساتھ جیسے وہ اسے کچھ بھی نہیں لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ آج ہی تو اس نے اپنی بے قراری کا قرار پایا تھا سو اطمینان سے تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا، پھر سب کے چہرے متفکر دیکھے تو سوچا۔

"کیا میں ۲۳ مارچ کا دن اس لیے نہیں مناؤں گا کہ یہ دن سر سلیمان عیسیٰ کی ڈیٹ آف برتھ بھی ہے کیا میری حب الوطنی کا تقاضا یہ نہیں کہ میں اس دن کو اپنی ڈیٹ آف برتھ سے ہٹ کر بھی صرف اس لیے مناؤں کیوں کہ یہ دن میرے وطن کی تاریخ ساز تشکیل کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم تھا۔"

"کیا سوچ رہے ہو راحیل؟" اس کی پرسوچ آنکھوں کو دیکھ کر منصور بھیا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے سب خیال جھٹک دیے پھر یقین سے بولا۔

"آج ۲۳ مارچ ہے آپ پاکستان کی یہ وکٹری سیلی بریٹ نہیں کریں گے بھیا؟"

اپنی ذات بھی اس نے منہا کر دی تو ان سب نے اس کی اس کایا پلٹ پر کسی قسم کا تجسس کرنے کے بجائے اس کی خواہش پر سر جھکا دیا۔ منصور بھیا نے اپنے مشورے کا خاطر خواہ اثر دیکھا تو کھڑے ہو کر اسے تھاما، اٹھایا پھر سینے سے بھینچ لیا وہ سب ہی سوال و جواب سے بے نیاز اس کے گرد آ جمع ہوئے۔ اس کے اچانک والا سا جانے والے دل کو عزم سے تقویت دینے لگے اور ڈائننگ روم میں تنہا داخل ہوتا فرد تھا جو بوکے تھامے نئی سوچ سے پھوٹنے والی کرن بنا۔ "ہیپی برتھ ڈے" کا گیت گنگنا رہا تھا۔ قریب ہی کہیں مینا بھابی بھی اس گیت میں شامل تھیں اس لیے فضا میں گلاب رتوں کی سرشاری بسی ہوئی محسوس ہو رہی تھی جس سے دل و دماغ بھی معطر تھے۔